

جاسوسی دنیا نمبر 6

پُر اسرار کنوں

(مکمل ناول)

پیشرس

پراسرار کنوں پیش خدمت ہے۔ اس کہانی میں آپ کو کئی
دچکپ کردار ملیں گے۔ طارق جس کی آنکھیں خطرناک تھیں
جس کے پاس ایک عجیب و غریب نواحی، جو پل بھر میں بڑے
بڑے شہر کاٹ کر پھینک دیتا تھا۔ پرویز ہے ایک چالیس سال کا
بچہ جو گھنٹوں کے مل چلا تھا۔ فیدر سے دودھ پیتا تھا اور ملازم میں
اے گود میں اٹھائے پھرتے تھے۔ غزالہ ہے جو حالات سے
پریشان ہو کر فریدی سے مدد طلب کرتی ہے۔

وہ عمارت جس کی دیواروں سے درندوں کی آوازیں آتی
تھیں اور پوری عمارت کی جگہ کی طرح گونجنے لگتی تھی اور
ایک کنوں جس سے انگاروں کی بوجھاڑیں نکلتی ہیں۔

بہر حال میرے ابتدائی ناولوں میں یہ ناول بھی بے حد پسند
کیا گیا ہے اور آج بھی آپ ہی کے بے حد اصرار پر دوبارہ شائع کیا
چاہا ہے۔

ابن صفیٰ

انگاروں کی بارش

موسم گرما کی ایک خوبصورات تھی۔ تقریباً آگیارہ بیجے تھے۔ نواب رشید الزمان نے اپنے نوآمدہ مہمان کے ساتھ ہی باغ میں کھانا کھایا تھا اور کھانے کے بعد سے اب تک بیٹھے اس کے سر کی داستانیں سن رہے تھے۔ ان کا مہمان طارق ادیز عمر کا ایک تدرست آدمی تھا۔ اس نے سفید پتوں اور آدمی آنکھوں کی سفید چیزوں پہن رکھی تھی۔ گٹھنے ہوئے بازوؤں کی ابھری ہوئی مچھلیاں جی جی کر اعلان کر رہی تھیں کہ وہ ایک مشقت پند آدمی ہے۔ سرخ و سفید چہرے پر سکھنی اور اوپر کوچھ ہوئی موچیں اس کی شخصیت میں ایک بارع ب اضافہ تھیں۔ آنکھیں چھوٹی اور غیر معمولی طور پر چکدار تھیں۔ آج ہی نواب صاحب کے بیہاں کے بھتیرے افراد نے اندازہ لگایا تھا کہ اس سے آنکھیں ملا کر بات کرنا آسان کام نہیں۔ وہ خود زیادہ تر اپنی نظریں پنجی ہی رکھتا تھا۔ وہ ایک سیاح تھا اور سیاحی کی وجہ ہمیشہ پر وہ راز میں ہی رہی تھی۔ وہ نواب صاحب کا جگری دوست تھا لیکن انہیں بھی اس کی سیاحی کی وجہ معلوم نہ ہو سکی تھی۔ اس موضوع پر جب بھی کوئی بات آتی وہ ہمیشہ بات کاٹ کر کوئی اور تذکرہ چھیندیا کرنا تھا۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ قدیم خزانوں کی ٹلاش میں لادر حرام مدارا پہنچتا ہے۔ وہ اچھے خاصے دولت مند کی طرح زندگی پر کرتا تھا۔ لیکن اس کا ذریعہ آمد فیکر کی کو معلوم نہ تھا۔

نواب صاحب سے اس کی چیلی ملاقات بھی عجیب و غریب حالات میں ہوئی تھی۔ سات آنھے سال قبل نواب صاحب شرقی ممالک کی سیر کے لئے تقریباً دو سال کا پروگرام ہا کر لگائے تھے۔ ایران کی سر زمین انجین اتنی پند آئی کہ تقریباً چھ ماہک انہوں نے دہاں قیام کیا۔ ایران کی

پر فضا پہاڑیاں سر بیز اور حسین سر غرار ان کے بعدوں میں بیٹھیاں بن کر رہے گئے تھے۔ ایران کے آثار قدیمہ نے بھی ان کو بڑی حد تک اپنی طرف متوجہ کیا۔ زمانہ قدیم کی یادگاروں سے انہیں پہلے بھی اُس تھا وہ جہاں جہاں بھی گئے وہاں انہوں نے تہذیب حاضرہ ہی کے کارانا موں سے دل نہ بہلا یا تھا بلکہ پرانے انسانوں کی محنت اور ان کی کاری گری کے نمونوں میں بھی اپنا بتیرا وقت صرف کیا تھا۔ ایران کے آثار قدیمہ تو پھر انہیں کے اسلاف کی یادگار تھے۔

ایک شام جب وہ ایران کے ایک پرانے بادشاہ کے محلات کے کھنڈروں سے واپس آرہے تھے انہیں ایک جگہ پتھروں کے ڈیمر سے ایک انسانی ہاتھ لکھا ہوا نظر آیا۔ انہوں نے گھبرائہت میں چاروں طرف نظر دوڑا لیں کیونکہ کوئی نظر نہ آیا۔ وہ سوچ میں پڑ گئے کہ کیا کیا جائے۔ آخر کافی غور و ٹکر کے بعد انہوں نے پتھر ہٹانے شروع کئے تھوڑی بی دیر کی محنت کے بعد ان کے سامنے ایک بیویش آدمی پڑا گھرے گھرے سانس لے رہا تھا۔ قریب ہی ایک پہاڑی نالہ بہہ رہا تھا۔ وہ بیویش آدمی کو اخاکر اس کے کنارے لے گئے۔

اور پھر تقریباً آدھے گھنٹہ کی جان قشانیوں کے بعد اسے ہوش آگیا۔ یہ طارق تھا۔ اس نے بتایا کہ اپا ایک پرانی دیوار کے گر جانے کی وجہ سے وہ دب گیا تھا وہ نواب صاحب کو اپنی جائے رہائش پر لے گیا۔ نواب صاحب کو اس کی شخصیت میں ایک عجیب طرح کی کشش محسوس ہوئی اور وہ اس سے قریب ہوتے گئے۔ نواب صاحب ایران سے ترکی جانے لگے تو طارق بھی ان کے ساتھ تھا۔ اس کے بعد دونوں ساتھ سیاحت کرتے رہے۔

طارق کی شخصیت بہت ہی عجیب و غریب تھی۔ وہ نسل اعراب تھا۔ لیکن دنیا کی کوئی شانداری انکی زبان ہو جو وہ نہ جانتا ہو۔ کئی زبانوں پر تو وہ اتنی قدر ترکھتا تھا کہ اس زبان کے بولنے والے بھی اس کے لمحے میں اجنبیت کا ذرا بھی شاہر نہیں پاتے تھے۔ جب وہ نواب صاحب سے مددوں میں منکتو کرنے لگا تو وہ بھی محسوس کرتے تھے وہ یوپی کا باشندہ ہو۔ دو سال کے عرصے میں نواب صاحب اس کے بہت زیادہ گردیدہ ہو گئے تھے۔ ہندوستان آتے وقت انہوں نے اس سے کہا کہ وہ کسی موقع پر ہندوستان آکر کچھ دن نواب صاحب کے ساتھ ضرور گزارے گا۔

اور اس وقت وہ ان کے پائیں باغ میں بیٹھا۔ انہیں اپنے سفر کی داستانیں سنارہا تھا۔ اس کی گود میں ایک نولا بیٹھا اور گھر رہا تھا۔ ایسا عجیب و غریب نولا کم از کم نواب صاحب اور ان کے متعلقین کی

نکر دیں سے آج تک نہ کنڈ را تھا۔ وہ قد اور لسائی میں ہندوستانی نلی سے کسی طرح کم نہیں تھا۔ اس کا رنگ سیاہ تھا اور پیچے پر تین چار لبی بھی دھار دیاں تھیں۔ بڑی سی گنجان دم کری سے لٹک رہی تھی۔ نواب صاحب کی لڑکی غزالہ بہت دیر سے بے تین نظر آری تھی۔ وہ اس نخلے کے بارے میں اس سے پچھے پڑھنا پاہتی تھی لیکن اس کی باتوں کا سلسلہ کسی طرح ختم نہیں ہوا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد غزالہ نے محسوس کیا کہ جیسے وہ بولتے ہوئے تھک گیا ہو۔ اسے خاموش پاتے ہی وہ جمعت سے بول پڑی۔ ”میں اس نخلے کے بارے میں پچھے جانانا پاہتی ہوں۔“

”ہاں.....ہاں.....!“ طارق مسکرا کر بولا

”میں نے آج تک اتنا خوفناک نہ لالا تھیں دیکھا۔“

”ہاں یہ کم کیا بہے..... اور ایشیا میں تو اس کا وجودی نہیں۔ میں نے اسے بر ازیل کے جنگلوں میں پکڑا تھا۔ یہ اس وقت پچھے تھا۔“

”تو کیا ہر دہلی میں اس حتم کے نخلے ہوتے ہیں۔“

”نہیں ہیا تو نہیں..... یہ وہاں بھی کم کیا بہے۔“ طارق نے نخلے کی پیچے پر ہاتھ پھیر جئے ہوئے کہا۔ ”اس میں ایک بہت بڑی صفت ہے۔“

”وہ کیا.....!“

”اسے کوئی چیز سکھا کر اکر تھپا ہاں میں چھپا آؤ تو یہ اسے ڈھونڈتا کا لے گا۔“

”اچھا تو پھر ہمیں یہ تماشہ آپ کب دکھائیں گے۔“ غزالہ نے کہا۔

”جب کہو۔“

”تو مجھے میرا دو ماں اسے سمجھائیے..... میں اسے کہیں چھپا آؤں۔“

طارق نے نہیں کر دہلی لے لیا اور نخلے کی ناک پر رکھ کر پھر غزالہ کو داہیں کر دیا۔

غزالہ کو تھی کے اندر چل گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ داہیں آئی۔

”اچھی طرح چھپا دیا ہے ہاں.....!“ طارق نفس کر بولا۔

”خوب اچھی طرح.....!“

طارق نے نخلے کو زمین پر اتر دیا اور اس کی پیچے پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ ”جادشی۔“

نہ لا در دڑتا ہوا کوئی تھی کی طرف چلا گیا۔ سب لوگ تحریر ہو کر کوئی تھی کی طرف دیکھ رہے تھے۔

چند منٹوں کے بعد وہ لوٹا۔ اس کے منہ میں غزالہ کارڈ مال تھا۔

”اے.....!“ سب کے منہ سے بیک وقت لگا۔ طارق ہنسنے لگ۔ غزالہ کی آنکھیں
جنت سے پھٹی ہوئی تھیں۔

”میں اس روپاں کو اپنی کتابوں کی الماری میں بند کر کے تالا لگا آئی تھی۔“ وہ جنت سے بولی۔
”تالا اس کے لئے کوئی وقت نہیں رکھتا۔“ طارق نے کہا۔ ”لیکن اس نے تمہاری
خوبصورت الماری برپا کر دی۔“
”وہ کیسے۔“

”اُس میں کم از کم اتنا بڑا سوراخ ضرور ہو گیا ہو گا جس میں سے یہ آسانی سے گزر سکے۔“
”اتنی جلدی اتنا بڑا سوراخ کر دیتا ممکن سامعلوم ہوتا ہے۔“ تواب صاحب بولے۔
”الماری کے تختے زیادہ سے زیادہ ایک ذیڑھ اچھے ہونے ہوں گے۔“ طارق بولا۔ ”یہ تواجھے
خاسے شہیر منٹوں میں کاٹ کر رکھ دیتا ہے۔“

”آپ کی ہر چیز عجیب و غریب ہے۔“ غزالہ نے جنت سے کہا۔
طارق مسکرا کر خاموش ہو گیا۔
وہ لوگ گفتگو کر رہی رہے تھے کہ سارے باغ میں روشنی ہو گئی۔ غزالہ نے پٹکر دیکھا اور
چیند کر اچھل پڑی۔

پرانے اندر میں کتوں سے الگاروں کا فوارہ ساچھوٹ پڑا تھا۔ شعلے کافی بلندی تک اٹھ رہے
تھے۔ ایک عجیب حجم کی زنائی دار آواز سے سارا باغ گونج رہا تھا۔
”یہ کیا تھا۔“ طارق جلدی سے بولا اور اس کے نخوں نے بھی اتنی بھی ایک چیندی کہ سب
کے جسموں پر لرزہ طاری ہو گیا۔ وہ سب کے سب پتھر کے جتوں کی طرح خاموش تھے۔
آہستہ آہستہ الگاروں کی بوچھاڑ کم ہوئی تھی اور تھوڑی دیر کے بعد پھر باغ کی فضائ پر پہلا سا
سکوت طاری ہو گیا۔

”یہ کیا تماشہ تھا۔“ طارق نے سکوت توڑا۔

غزالہ ملکوک نظر وہیں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

”میں خود بھی سوچ رہا ہوں۔“ تواب صاحب مردہ آواز میں بولے۔ ”معلوم ہوتا ہے کہ ہم

پر کوئی مصیت آنے والی ہے۔“

”کیا مطلب.....!“ طارق چونکہ کربولا۔

”میں نے والد صاحب مر حوم کی زبانی ساختا کر ایک بار دادا مر حوم کے زمانے میں بھی اس کوئی سے الگا رے نکلے تھے اور پھر خاندان میں پے در پے متواتر کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔“

”عجیب بات ہے۔“ طارق اٹھتے ہوئے بولا۔ ”میں جا کر دیکھتا ہوں۔“

”خوب نہیں۔“ تواب صاحب نے اٹھ کر اسے کروکتے ہوئے کہا۔ ”اوہر مت چاؤ۔“

”کیوں.....!“

”معلوم نہیں کیا ہو۔“

طارق خس کر آگے بڑھ گیا۔ اس کا ناخلا ایک پاٹوت کے کی طرح اس کے پیچے پیچے چل رہا تھا۔

”ذرا ایک ٹارچ تو محفوظ۔“ اس نے کوئی سیسیں میں جما کتے ہوئے کہا۔

”بھی میں کہتا ہوں لوٹ آؤ۔“ تواب صاحب چیخے۔

”ٹارچ۔“ طارق چینا۔..... اس کی آواز میں کپکاہٹ تھی۔

تواب صاحب نے ایک توکر سے ٹارچ محفوظ۔

”رشید الرحمن..... بیجاں آؤ۔“ طارق ٹارچ کی روشنی کوئی سیسیں میں ڈالتے ہوئے بولا۔

رشید الرحمن پاول خواتت آگے بڑھے۔ فرزالہ نے بھی ان کے ساتھ جانا چاہا لیکن انہوں نے اسے روک دیا۔

”وہ دیکھو..... کیا ہے۔“ طارق نے انہیں کوئی سیسیں میں جما کننے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

رشید الرحمن چیند کر پیچے ہٹ گئے۔ ان کے جسم سے خندنا خندنا اپسینہ چھوٹ رہا تھا۔

”کیا ہے بیجاں۔“ فرزالہ ان کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔

”چاؤ چاؤ....!“ تواب رشید الرحمن پلٹ کر چیخ۔ ”تم اندر چاؤ..... چاؤ..... چلی چاؤ۔“

خوقتاک آوازیں

تواب صاحب کا الجہ احتلا رہا تھا کہ فرزالہ بے اختیار کو خی کی طرف مڑ گئی۔

"اب کیا کیا جائے۔" طارق بے چینی سے ہاتھ مٹا ہو جلا۔

"میرے تو ہوش نمکانے نہیں۔" نواب صاحب کنوئیں کی جگہ کے قریب زمین پر بیٹھنے ہوئے بولے۔

"آخر محالہ کیا ہے۔"

"خدای بہتر جانتا ہے۔"

"تو کیا آپ کیا داشت میں اس کنوئیں سے بھی پچھا ریاں نہیں لٹکیں۔"

"نہیں.....!" نواب صاحب بولے۔ "یہ والد صاحب کے بھین کی بات ہے۔"

"ل آپ نے اپنی زندگی میں چلی باری یہ واقعہ دیکھا ہے۔"

"ہاں.....!" نواب صاحب کے لبجھ میں ناخودگواری تھی۔ وہ اس وقت کسی حم کے سوال وجہ اب کے مذہب میں نہ تھے۔

وفنا کو ٹھی کے اندر ایک عجیب و غریب حم کے شور کی آواز سنائی دی۔

"ارے یہ کیا.....!" طارق چوک کر جلا۔

نواب صاحب بھی متبر ہو کر کوئی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ شور لخت پر لخت بڑھتا ہی جدا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے بے شمار گیڈڑتے آکا اور نہ معلوم کون کون سے چانور یک دقت جیسے رہے تھے، ساتھ ہی ساتھ آدمیوں کا شور بھی سنائی دے رہا تھا۔ دو توں بے تھاں کوئی کی طرف لپکے۔ اندر قدم رکھتے ہی انہیں ایسا محسوس ہونے لگا جیسے وہ آوازیں درد بیویوں سے نکل رہی ہوں۔ اس قدر شور تھا کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ کوئی کے سارے افراد کروں میں بند ہو کر طرح کی خوفزدہ آوازیں نکال رہے تھے۔

"یہ اتنے چانور یہاں پیسے کم س آئے۔" طارق نے کہا۔ اس کا ندرا اچھل کر اس کے سینے سے چوتھ گیا تھا۔

نواب صاحب اس طرح کاپ رہے تھے جیسے انہیں رعشت کی پیدا ہو گئی ہو۔

"ن..... ن..... ن..... ن..... ج..... ج..... ج..... ج....." نواب صاحب ہکلا تے ہوئے بولے۔

طارق ایک کونہ ٹلاش کرنا پھر رہا تھا۔ لیکن وینچنے والے چانوروں کا کہیں پہ نہیں ہوا۔

رہا تھا۔

وختانو اب صاحب کا عجیب التفت سوچا بھائی اپنلا کو دتا ہوا آگیا۔ وہ ان آوازوں کو سن کر وحشت ناک قبیلے لگا رہا تھا۔ اس کی عمر پالیس سے کسی طرح حکم نہ رہی ہو گی لیکن اس نے اپنی دفعہ قطع بالکل شیر خوار بچوں کی سی بنا رکھی تھی۔ اس کے ہاتھ میں دودھ پینے کی شیشی تھی۔ جب وہ اپنل کو د کر حکم جاتا تو شیشی کا دودھ چونے لگتا۔ اس کے گلے میں ایک پینہ بندھا ہوا تھا بالکل دیسی چیزاں اکثر مغلی پسند مائیں اپنے بچوں کے گلے میں اس لئے پائی دیتی ہیں تاکہ ان کے کپڑے منہ سے پہنے والی رال سے محفوظ رہ سکیں۔

"بھائی صاحب نماشہ ہو لیا ہے۔" وہ تالیاں بجا تا ہوا تلا تلا اسی لالا۔

"چپ رہو.....!" تواب صاحب جی کر بولے۔ "بھاگ بخوبیاں سے۔"

"وہ پھر شیر خوار بچے کی طرح حکم کر گئنوں کے مل چلا ہوا ایک کمرہ میں گھس گیا۔ آہستہ آہستہ شور کم ہو تا جدرا تھوڑی لایر کے بعد بالکل سکوت پھاگیا۔ طارق بور تواب صاحب حرمت سے ایک دوسرے کامنہ دیکھ رہے تھے۔ حالانکہ وہ پراسر اس شور اب ختم ہو چکا تھا کروں میں چھپے ہوئے لوگوں میں اب بھی اتنی ہمت نہیں تھی کہ باہر نکل آتے۔

"کیوں بھائی طارق جھمیں کچھ تاذیہ سب کیا ہو رہا ہے۔" تواب صاحب بولے۔

"تو کیا شور بھی پہلے پہل۔.....!"

"ہاں ہاں۔" تواب صاحب نے بات کا بخے ہوئے کھل۔ "بالکل پہلے پہل۔ کسی خادی ان روایت سے بھی پہ نہیں چلا کہ اس سے پہلے بھی کبھی اس حکم کا خادش ہیش آیا ہو۔"

"سب تو اتنی حرمت کی بات ہے۔"

"مگر اب کرنا کیا ہا ہے۔" تواب صاحب نے اپنلی پر یہاں کن لبھ میں کھل۔

"میری کیا سکتے ہو۔" طارق بولا۔ "مجھے تو یہ آسمی خلل معلوم ہو تا ہے۔"

"مگر وہ کتوال۔" تواب صاحب نے دبی زبان سے کھل۔

"ایسے معاملات میں سب کچھ ممکن ہے۔"

"وپر پولیس کو اطلاع کرنی پڑا ہے۔" تواب صاحب ہاتھ لٹھے ہوئے بولے۔

"پولیس اس معاملہ میں کیا کر سکتی ہے۔" غزال نے پیشی ہوئی آواز میں کہا۔ شور ختم ہونے

کے چند لمحوں کے بعد وہ انہیں دونوں کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"جاو..... جاو..... تم سو جاؤ۔" تو اب صاحب مختبر باندہ اور اس میں بولے۔

"میا آج کی رات کسی کو نیند آسکتی ہے۔" غزالہ نے کہا۔

"کیوں نہیں..... کیوں نہیں۔" طارق نے پر اطمینان لبھ میں کہا۔ "کوئی ایسی خاص بات نہیں۔"

"اچھا تم یہیں غزالہ کے پاس ملھرو۔" تو اب صاحب نے طارق سے کہا۔ "میں تھانے جاتا ہوں۔"

"نہیں آپ کسی اور کو بھیج دیجئے میں آپ کو نہیں جانتے دوں گی۔" غزالہ نے کہا۔ "آپ بیکار تھانے جا رہے ہیں۔ پو لیس اس محالے میں کچھ نہ کر سکے گی۔"

"طارق ہیں تو تمہارے پاس..... ڈرنے کی کوئی بات نہیں، میں ابھی فور تو اپس آتا ہوں۔"

"تو کسی اور کو بھیج دیجئے نہ۔"

"کوہا تم نہیں سمجھتیں میرے گئے بغیر کام نہیں بنے گا۔" تو اب صاحب نے کہا اور باہر کل گئے۔

تحوڑی دیر بعد کار اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی۔

"آخر آپ بتاتے کیوں نہیں کہ ابا جان تھانے کس لئے گئے ہیں۔" غزالہ نے طارق سے کہا۔

"کوئی بات نہیں تم جا کر سو جاؤ۔" طارق نے کہا۔

"اگر کل بھی سیکی ہو تو کیا ہو گا۔"

"کچھ نہیں ہو گا..... سب نیک ہو جائے گا۔ چلو تم اپنے کمرے میں چلو۔"

وہ غزالہ کا بازو پکڑ کر اسے اس کے کمرے کی طرف لے جانے لگا۔

اس کا نیسا اب اس کے کامنے پر بیٹھا پیچھے چکلی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

"جب تم لیٹ کر سو جاؤ..... میں یہیں بیٹھا ہوں۔" طارق اسے اس کے پنکھ پر بٹھا کر

خود ایک کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

"نیند نہیں آئے گی۔" غزالہ نے کہا۔

"آئے گی کیسے نہیں..... میں ابھی تمہیں سلاۓ دیتا ہوں۔"

غزالہ نے خوف زدہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

”ڈر نہیں۔“ طارق بس کر بولا۔ ”میں تمہیں پھانزم کے ذریعے سلادوں گا۔“
”اوہ تو کیا آپ پوچھا تاز کر سکتے ہیں۔“

”ہا۔۔۔۔۔ لیٹ چاؤ ہاں اس طرح نجیک۔ میری طرف دیکھو، میری آنکھوں میں دیکھو
سو جاؤ۔۔۔۔۔ تم سوتی جا رہی ہو، تمہیں نیند آرہی ہے۔ تمہاری آنکھیں بند ہو رہی ہیں۔“

غزالہ کو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے طارق کی آنکھوں سے بر قی لمبیں نکل کر اس کے جسم میں
سرایت کرتی جا رہی ہیں۔ ذہن ست ہو تا جا رہا ہے۔۔۔۔۔ پلکیں بو جمل۔۔۔۔۔ تاریکی۔۔۔۔۔ اور
اب اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے طارق کی آواز بہت دور سے آرہی ہو۔ ”تمہاری نیند گہری آتی
جا رہی ہے۔ تمہاری نیند گہری ہوئی جا رہی ہے۔“ اور آہستہ آہستہ آواز آنی بند ہو گئی۔ چاروں
طرف اندر حیراں اندھیرا تھا۔ وہ گہری نیند سو گئی تھی۔

طارق تھوڑی دیر تک بیٹھا اس کی طرف دیکھتا رہا پھر انہ کر باہر چلا آیا۔ اس کے ماتھے کی
رگیں ابھری ہوئی تھیں آنکھوں کی کوروں کے قریب کنپیوں پر پڑی ہوئی ٹکٹکیں کہہ رہی تھیں
کہ وہ کسی گہری سوچ میں ہے۔

کروں میں گئے ہوئے لوگ اس طرح سر گوشیاں کر رہے تھے جیسے وہ تمہرے خانوں میں دیکھے
ہوئے متوجہ بمباری کا انتظار کر رہے ہوں۔ طارق پھر پائیں بااغ میں آگیا۔ وہ تھوڑی دیر تک کھڑا
کچھ سوچتا رہا پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا کنوئیں کے قریب آگیا۔ اس کے ہاتھ میں دبی ہوئی ٹارچ کی
روشنی کنوئیں میں پڑ رہی تھی۔ دفتاً اس کے ہونٹوں پر ایک پر اسرا ر مسکراہت نمودار ہوئی اور وہ
پھر کوئی کی طرف روانہ ہو گیا۔

تقریباً آدمی کھنکے کے بعد نواب صاحب ایک سب انپکٹر اور دو کاشیلوں کے ساتھ واپس
لوٹ کنوئیں میں کئی ہارچوں کی روشنی بیک وقت پڑی اور نواب صاحب کے منہ سے حیرت جیخ
نکل گئی۔ سب انپکٹر نے سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

”تو کیا جیخ میں پاگل ہو جاؤ گا۔“ نواب صاحب اس طرح بولے جیسے وہ خواب میں بڑوا
ر ہے ہوں۔

”آپ نے تو کہا تھا۔“ سب انپکٹر بولا۔

”ہاں میں نے بالکل ٹھیک کہا تھا۔“ نواب صاحب بے چارگی کے ساتھ بولے۔ ”اور آپ جو کچھ دیکھ رہے ہیں وہ بھی ٹھیک ہے۔“

سب اسکر پڑنے لگا اور نواب صاحب کے چہرے پر جلاہٹ کے آہار بیدا ہو گئے۔

”آپ نے تو فرمایا تھا عورت کی لاش.....!“ سب اسکر نے کہا۔

”میں نے مطلبا نہیں کہا تھا۔“ نواب صاحب بولے۔ ”صرف میں نے ہی نہیں بلکہ میرے ایک مہمان نے بھی دیکھی تھی۔“

اتی دیر میں دو تین توکر بھی آگئے تھے، لاش کا تذکرہ سن کر بُری طرح کاپنے لگے۔ ایک سختی کے اندر اندر انہیں کئی عجیب و غریب باتوں سے واسطہ پڑا تھا۔

”وزرا طارق صاحب کو بلاو۔“ نواب صاحب نے ایک توکر کی طرف دیکھ کر کہا۔

طارق کو دیکھ کر سب اسکر نے عجیب سامنہ بٹایا۔ طارق سے زیادہ وہ اس کے سیاہ نہڈے کو سکھو رہا تھا جو اب بھی تک طارق کے کاغذے پر بیٹھا ہوا تھا۔

”آپ نے بھی عورت کی لاش دیکھی تھی۔“ نواب صاحب نے طارق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”اور اب میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ آپ کو کیا بیان دوں۔“ طارق نے سب اسکر سے کہا۔ ”کیوں.....!“

”اس لئے کہ میں نے نواب صاحب کے جانے کے بعد ایک بار بھر اس کنوئیں میں جماں کا تھا اس بار میں نے عورت کے بجائے مرد کی لاش دیکھی۔“

”اوے.....!“ نواب صاحب کے منہ سے بے اختیار لکلا۔

”جی ہاں۔“

”اور اب وہاں کچھ بھی نہیں۔“ نواب صاحب نے بے ہالی سے کنوئیں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”اچھا.....!“ طارق نے کہا اور کنوئیں کی طرف بڑھا۔ دوسرے عی لمحے میں اس کی ٹارچ کی روشنی کنوئیں میں پڑ رہی تھی۔

طارق نے ایک فلاں شکاف قہقہہ لگایا اور سب لوگ حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔

”غزالِ جسمیں پہلے ہی منع کر رہی تھی۔“ طارق بولا۔ ”بھلا آئی میںی محاملات میں پولیس کیا کر سکتی ہے۔“

کیا اسی کوئی سے چنگاریاں بھی نہیں تھیں۔“ سب انپکڑنے پوچھا۔
”ہاں.....!“

”تب تو یہ کھلا ہوا محاملہ ہے۔ ہم لوگ بھلا اس میں کیا کر سکتیں گے۔ اور کچھ آواز کا بھی تو آپ نے تذکرہ کیا تھا۔“

”جی ہاں..... وہ کوئی کے اندرستائی دی تھی۔“ طارق بولا۔

”شاید میں آپ سے چلی بار شرف ملاقات حاصل کر رہا ہوں۔“ سب انپکڑنے اس کی بات پر دیکھانہ دیتے ہوئے کہا۔

”میں چلی بار یہاں آیا ہوں۔“

سب انپکڑا ب تک ندو لے کو گھوڑے جا رہا تھا۔

”یہ میرا پالتو نہ لالا ہے۔“

”بہت ہی عجیب و غریب ہے۔“ سب انپکڑ نے کہا۔ ”اچھا تو نواب صاحب اب اچازت چاہوں گا۔“

”کیا تاؤں بھی میں نے خواہ خواہ تکلیف دی۔“ نواب صاحب نے تھوڑے تھوڑے کہا۔

”کوئی بات نہیں۔ میں تو آپ کا خدام ہوں، البتہ اس بات کا ضرور افسوس ہے کہ میں اس محاطے میں آپ کی کوئی خدمت نہ کر سکوں گا۔“

پولیس والے نواب صاحب کی کار پر رخت کر دیتے گئے۔

نواب صاحب، طارق اور چند نوکر ابھی تک کوئی نہیں کے پاس کھڑے ہوئے تھے چونکہ لاش کے متعلق پاتیں نوکروں کے سامنے ہوئی تھیں۔ اس لئے چند یونی لمحوں میں یہ خبر ساری کوئی نہیں سمجھی گئی۔

”بھائی طارق..... میری عصی کام نہیں کرتی۔“ نواب صاحب نے کہا۔

”میں خود حیرت میں ہوں۔“ طارق نے کہا۔ اس کی آنکھوں کی پر اسرار اچک دھنٹا پہلے سے زیادہ بڑھ گئی۔

”ایک بار میں بھی مصر میں ایسے ہی حادثات سے دوچار ہوا ہوں۔“ طارق پھر بولا۔

”اگر واقعی یہ آئینی ہی معاملہ ہے تو اس سے کس طرح مگر خلاصی حاصل ہو سکے گی۔“

”نہایت آسانی سے۔“ طارق بولا۔ ”کیا آپ کو کوئی ایسا آدمی نہیں مل سکا، جو بدارواح کو بھگانے کا عمل جانتا ہو۔“

نواب صاحب کچھ سوچنے لگے۔

”سخت ابھمن میں ہوں۔“ نواب صاحب بولے۔ ”بھی بات دراصل یہ ہے کہ میں ان چیزوں کا قائل نہیں مگر واقعات ایسے پیش آئے ہیں کہ کچھ کہنے سننے نہیں بن پڑتی۔“

”نہیں آپ کو ان چیزوں کا قائل ہونا چاہئے کیونکہ بدارواح کا وجود ہے۔“ طارق نے اپنے نو لے کو کانہ میں سے اہارتے ہوئے کہا۔

چالیس سال کا بچہ

اس رات کے بعد سے نواب صاحب کی کوئی نہیں میں روزانہ نئی وارداتیں ہونے لگیں۔ تقریباً ہر رات کو کتوں سے پنگاریاں لکھا کرتی تھیں اور جانوروں کی بھی ایک آوازوں سے کوئی کاچپہ چپے کوئی اختناق نہیں۔ نواب صاحب کے سوتیلے بھائی پروین کی حالت اس وقت قائم دید ہوتی تھی جیسے ہی جانوروں کی آوازیں سنائی دیتیں وہ اچھل کو دیکھا دیتا۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا کہ وہ بھی ان چیزوں میں سے کوئی ایک ہے۔ طارق کا خیال تھا کہ پروین پر بھی کسی بہت بڑے جن کا سایہ اسے جانوروں میں سے کوئی ایک ہے۔ بعض واقعات تو وہ یہاں تک کہہ دیتا تھا کہ خود پروین کی ان ساری مصیبتوں کی وجہ ہے۔ لیکن ہے۔ بعض واقعات تو وہ یہاں تک کہہ دیتا تھا کہ خود پروین کی وجہ ہے۔ لیکن نواب صاحب اس طرف دھیان عینہ دیتے تھے۔ ہر چند کہ پروین ان کا سوتیلے بھائی تھا لیکن وہ اسے بہت عزیز رکھتے تھے۔ واقعی انہیں کا دل گردہ تھا کہ وہ ایک پاگل آدمی کی جا بجا خواہشات کا بھی احراام رنے سے گریزناہ کرتے تھے۔ انہوں نے اسے اس کی مرضی پر چھوڑ دیا تھا کہ وہ جس طرح پاہے زندگی بر کرے اس کے لئے تین پہلوان ملازم رکھے گئے تھے جو اسے گود میں اٹھائے پھر ا

کرتے تھے۔ وہ شروع ہی سے ایسا نہ تھا بلکہ آج سے آنھ سال قبل اس کی یہ حالت ہو گئی تھی۔ ایک بار وہ چھٹت سے گر پڑا..... سر میں کچھ لگکی چوت آئی کہ اب تھے ہو جانے پر بھی دماغی توازن نمیک رہے ہو سکا۔ صحت یا بے ہو جانے کے بعد ایک عرصہ تک وہ بولا ہی نہیں، بس کبھی کبھی نوزائیدہ بچے کی طرح ضرف غون غان کر لیا کرتا تھا۔ جس طرح بچے آہستہ آہستہ بولنا سمجھتے ہیں اسی طرح پھر سے وہ بھی بولنا سمجھ رہا تھا۔ اب تقریباً آنھ سال گذر جانے کے بعد وہ اس قابل ہوا تھا کہ نوٹی پھوٹی زبان میں تلا تلا کر دوسروں کو اپنی باتیں سمجھا سکتا تھا۔ نواب رشید الزماں نے اس کے علاج میں کوئی دقیقتہ نہ انحصار کھا تھا لیکن اس کی دماغی حالت نمیکرنے ہوئی۔

پہلے حدادت کے بعد ہی دن بھر پر دیز رات کی باتیں رثار پڑتا تھا۔ وہ ہر کس دن اس کا باہم پکڑ کر بچوں کی طرح ان واقعات کو دہراتا۔ دوسری رات جب اس نے کنوں سے چنگاریاں نکلنے دیکھیں اس وقت اس کی وہی کیفیت ہوئی جو کسی بچے کی آتش بازی دیکھ کر ہوتی ہے اور پھر تو وہ ان تماشوں کے انتظار میں کافی رات گئے تک جاؤ تار پڑتا تھا۔ اس کے سلسلے میں ایک بات اور قابل ذکر تھی وہ یہ کہ وہ طارق اور اس کے سلسلے سے نبڑی طرح خائف رہا کرتا تھا۔ طارق کے سامنے وہ اسی طرح دم سادھ لیتا تھا یعنی کوئی نہ کھٹک پچھے کسی بہت ہی خصہ در بزرگ کے سامنے بھیگی ملی بن جاتا ہے۔ اس کے اس روایہ کو بہت ہی تعجب کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ محض اسی بناء پر گھر کے بیتیرے نوکروں کا خیال تھا کہ طارق ہی ان سب مصیتیوں کا بायث ہے۔ کیونکہ اس کے اپنے خیال کے مطابق پاگل اور شیر خوار بچوں کو بھوت پریت دکھائی دیتے ہیں اور یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت تھی کہ ان واقعات کا ظہور اسی دن سے ہوا شروع ہوا تھا جس دن سے طارق نے کوئی میں قدم رکھا تھا۔ وہ طارق کو ایک بہت ہی ناپاک تم کا جادو گر سمجھنے لگے تھے جس کے قبضے میں بد رو میں تھیں۔ وہ سب کے سب طارق سے نبڑی طرح خائف تھے اور اس سے نفرت کرنے لگے تھے لیکن کوئی بھی کھل کر اپنی نفرت کا انکھارنا کرپا تھا کہ وہ نواب صاحب کا معزز مہمان تھا۔ کس میں بہت تھی کہ وہ ایک لفڑی بھی منہ سے نکالتا۔ کوئی میں ظہور پذیر ہونے والے واقعات کے متعلق قرب و جوار میں کافی شہرت ہو گئی تھی اور نواب صاحب کا نوآمدہ مہمان بھی لوگوں کا خاص موضوع بحث بن کر رہا گیا تھا۔

بیتیرے لوگوں نے نواب صاحب کو رائے دی کہ وہ فی الحال کوئی چھوڑ کر کہیں اور

سکونت اختیار کر لیں، لیکن انہوں نے منکور نہ کیا۔ ان کی مضبوطی کی وجہ سے دوسرا رے لوگ بھی ابھی تک جتنے ہوئے تھے۔ لیکن دوسروں کا استقلال زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکا۔ ہوا یہ کہ اپاٹک ایک دن اصل میں نواب صاحب کا ایک بیش قیمت گھوڑا امر دیا گیا۔ دوسرا دن ایک اچھی نسل کا آتا تیرے دن ایک گائے مر گئی اور پھر تو اس کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ تقریباً روزانہ کسی نہ کسی طرح کے پاتوں جانور کی لاش ملتی۔ ان واقعات کے بعد کہنی نوکر چب چاپ دہاں سے کھک گئے۔ انہیں غالباً یہ ذر تھا کہ کہیں جانوروں کے بعد آدمیوں کا نمبرتہ آجائے۔ لیکن نواب صاحب کا استقلال ابھی تک قائم تھا اب انہیں بھی قریب قریب یقین ہو گیا تھا کہ یہ ضرور کوئی آئینی معاملہ ہے۔ کوئی میں کے اندر پائی جانے والی لاش کے متعلق انہوں نے بعد میں یہ سوچ کر تسلی دے لی تھی کہ شاید وہ نظر کا دھوکا ہو لیکن جانوروں کی سلسلہ وار موتنیں کسی طرح نظر اندازتہ کی جائیں۔ اس دوران میں بیتیرے عالموں اور سادھو مہاتماوں کی خدمات حاصل کی گئیں کہ وہ کسی طرح کو ٹھی پر قبضہ کر لینے والی بدار واح کو بھجاں گیں، لیکن ان میں سے کوئی بھی کامیاب نہ ہو سکا۔

طارق ابھی تک ان کا مہمان تھا۔ اس کی پراسرار شخصیت کی بنا پر نواب صاحب کو بھی اس پر کچھ کچھ شبہ ہونے لگا تھا لیکن وہ اس سے کچھ کہہ نہ سکتے تھے۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ وہ کسی طرح چلا جائے لیکن وہ ملنے کا نام عنہ لیتا تھا۔ اکثر وہ نواب صاحب سے کہا کہ تا تھا کہ وہ اس وقت تک نہیں جائے جب تک کہ نواب صاحب ان مصیبتوں سے گلو خلاصی نہ حاصل کر لیں گے۔ نواب صاحب نے دو ایک بار دبی زبان سے کہا بھی تھا کہ محض اس کی وجہ سے وہ تکلیف نہ اٹھائے لیکن طارق پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔

شروع میں غزالہ کا بھی بھی خیال تھا کہ یہ کوئی آئینی معاملہ ہے۔ لیکن عالموں اور سادھوؤں کے تھک بہار جانے کے بعد اسے یقین ہو گیا تھا کہ یہ انسانی سازش کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ اس نے نواب صاحب سے بھی اس کا تذکرہ کیا اور بہت دری تک اس کے امکانات پر بحث کرتی رہی لیکن نواب صاحب نے اس کی باتیں بُخی میں اڑا دیں۔

”آخر یہ چیزیں انسانی سازش کا نتیجہ کیسے ہو سکتی ہیں۔“ نواب صاحب بولے۔

”ایسے بیتیرے واقعات دیکھنے میں آئے ہیں کہ جنمیں ما فوق الفرات سمجھا گیا لیکن بعد کو ان میں انسانی ہاتھ نظر آیا۔“

"وہ اور واقعات ہوں گے..... بھلا کوئی انسان درودیوار سے جانوروں کی آوازیں کس طرح پیدا کر سکتا ہے۔"

"فی الحال میں اس کا کوئی اطمینان بخش جواب نہیں دے سکتی۔ لیکن میرا دعویٰ ہے کہ اس میں کسی آدمی کا ہاتھ ہے۔"

"کیا تمہارا اشارہ طارق کی طرف ہے۔" تواب صاحب بولے۔
 "میرا اشارہ اس کی طرف نہیں۔" غزال نے کہا۔ "لیکن کیا ممکن نہیں کہ وہی اس ساری مسمیتوں کا باعث ہو۔ ہمیں تو یہ تک نہیں معلوم کہ وہ رہنے والا کہاں کا ہے۔ اس کا ذریعہ معاش کیا ہے اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ کتنی غیر معمولی صلاحیتیں رکھتا ہے۔ میں نے اس کا پہاڑ نرم والا واقعہ آپ سے بتایا تھا۔"

"کسی کی طرف سے خواہ تخلوہ بدگمان ہونا درست نہیں۔" تواب صاحب بولے۔

"آپ بدگمانی کہ رہے ہیں۔" غزال بولی۔ "جسکے سو فیصدی یقین ہے۔"

تواب صاحب خاموش ہو گئے۔

"میں سوچ رہی ہوں کیوں نہ اس معاملہ میں فریدی صاحب کی مدد حاصل کی جائے۔"

تواب صاحب کے کہلانے ہوئے چہرے پر یک بیک قلنگی آگئی۔

لیکن پھر فور آئی اس پر نا امیدی کی گرد آکوڈ جہیں چڑھ گئیں۔

"بھلا فریدی اس معاملہ میں کیا کر سکے گا۔" تواب صاحب نے کہا۔

"خواہ تخلوہ سے بلانے سے کیا فائدہ۔"

"اگر وہ کچھ نہ کر سکے تو کم از کم کوئی معمول رائے ہی دے سکسے گے۔"

"مگر وہ آنے ہی کیوں لگا۔"

"آئیں گے کیوں نہیں..... میں نے سنا ہے کہ آجکل وہ اور ان کا اسٹنٹ تین ماہ کی چھٹی پر ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اگر میں ان سے استدعا کروں گی تو وہ انکار نہیں کر سکیں گے۔"

"خیر کو شش کرو اگر آجائے تو اچھا ہی ہے۔ لیکن میں یہی کہوں گا کہ وہ اس معاملہ میں کوئی مدد نہ کر سکے گا۔"

"خیر اگر کچھ نہ ہو۔ سکا تو کم از کم اتنا ہی ہو جائے گا کہ اگر اس میں کسی آدمی کا ہاتھ ہے تو وہ کچھ

دنوں کے لئے اپنی حرکتیں شاید چھوڑ دے۔"

"آدمی کا ہاتھ۔" نواب صاحب بھگ آگر بولے۔ "بھلا کوئی آدمی درود یا اس سے جانوروں کی آوازیں کیسے نکال سکتا ہے..... اور پھر یہ کہ آئے دن جانوروں کی موت کیا معنی رکھتی ہے۔" "پچھے بھی ہو لیکن مجھے سو فیصدی امید ہے کہ فریدی صاحب اس معاملہ پر کچھ نہ کچھ روشنی ضرور ڈالیں گے۔"

نواب صاحب خاموش ہو گئے۔

تاریک رات اپنے سیاہ پر پھیلائے آہستہ آہستہ مغرب سے مشرق کی طرف تیر رہی تھی۔ تقریباً دو نیچے تھے۔ آج بھی حسب دستور کنوئیں سے چنگاریاں نکلیں تھیں اور جانوروں کی آوازیں بھی سنائی دی تھیں لیکن اس کوئی کے لوگ پچھے اس طرح ان چیزوں کے عادی ہو گئے تھے جیسے یہ ان کے لئے کوئی بات عینہ ہو، ویسے ان کے دلوں کو ایک کمکاٹا گا ہوا تھا کہ دیکھیں صحیح جانور کی لاش سے سابقہ پڑتا ہے یا آدمی کی لاش سے۔

نواب صاحب غزال کے کمرے سے انٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ غزال نے سونے کی کوشش کی لیکن نیند ن آسکی۔ آخر کار وہ تمکھد کر کھڑکی کے قریب آگر بینے گئی۔ اس کے کمرے میں نیلے رنگ کا بلب روشن تھا کہ کراموش فضا میں نیلے رنگ کی بو جمل روشنی پچھے عجیب سی معلوم ہو رہی تھی۔ غزال جس کھڑکی کے قریب بیٹھی تھی اس کا رخ باغ کی طرف تھا۔ وہ بینے بینے دھنٹا چوک پڑی۔ ایک تاریک سایہ آہستہ کنوئیں کی طرف ریکھ رہا تھا۔ غزال کا دل دھڑکنے لگا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ شور کر کے گھروں کو جگا دے۔ لیکن پھر کچھ سوچ کر خاموش ہی رہی۔ وہ انسانی سایہ کنوئیں کے قریب جا کر رک گیا۔ اس نے اپنے کانوں سے کوئی چیز انتہا اور کنوئیں کی جگت کی قریب جا کر رک گیا۔

کنوئیں کی جگت کے قریب اگے ہوئے درخت کے تنے سے یہ لگا کر بینے گیا۔ پھر اس نے کوئی چیز کنوئیں میں پھیلی۔ اب وہ کنوئیں میں سر لٹکائے پچھے دیکھ رہا تھا۔ دھنٹا تارچ کی روشنی میں وہ پچھے دیکھنے لگا۔ قریب تھا کہ غزال کے منڈ سے چیز نکل جائے لیکن اس نے بڑے خطے سے کام لیا۔ تارچ کی روشنی میں اس پر اسرار آدمی کے چہرے کی بھلک دکھائی دی۔ یہ طارق کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ وہ شاید درخت کے تنے سے رہی باندھ کر اسی کے سہارے کنوئیں میں

اترنے جا رہا تھا۔ غزال نبڑی طرح کانپ رہی تھی۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کا حل بند ہو گیا ہو، اور اب وہ کبھی نہ بول سکے گی۔ طارق کنوئیں میں اتر گیا۔ غزال محسوس کر رہی تھی جیسے اس پر آہستہ آہستہ غشی طاری ہو رہی ہے۔ اسے طارق کی خوفناک آنکھیں یاد آگئیں اور اس وقت وہ کتنی بھیاک ہو گئی تھیں جب وہ اسے عمل تنویر کے ذریعہ سلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ غزال کی آنکھیں بو جھل ہونے لگیں۔ ایک عجیب طرح کی سنتاہت اسے اپنے سارے جسم میں دوڑتی محسوس ہونے لگی، جسم میں جبکش کرنے کی بھی سکت نہ رہ گئی تھی۔ وہ وہیں کرسی کی پشت سے نیک لگا کر گہری نیند سو گئی۔ نہ جانے وہ کب تک اسی حال میں سوتی رہی۔ وفاتاً شور کی آواز سن کر وہ جاگ اٹھی۔ صبح ہو گئی تھی، لیکن سورج آبھی تک نہیں لکھا تھا۔ شرقی افق میں سرخیاں پھوٹ چلی تھیں۔ شور کی آواز باغ کی طرف سے آری تھی۔ اس نے کھڑکی سے دیکھا۔ کنوئیں کے گرد لوگوں کی بھیز لگی ہوئی تھی۔ غزال جھپٹ کر باہر نکلی۔ ابھی وہ چند عی قدم گئی ہو گئی کہ اس نے دیکھا دنو کر پر دیز کو اخھائے ہوئے کوئی تھی کی طرف لا رہے تھے ان کے پیچے تواب صاحب اور طارق تھے۔

”کیا ہوا.....؟“ غزال بے اختیار بولی۔

”نہ جانے کب سے کنوئیں کے قریب بے ہوش پڑا تھا.....!“ تواب صاحب گھبراہٹ کے بجھ میں بولے۔

وفتحاً غزال کو رات کی باتیں یاد آگئیں۔ اس نے طارق کی طرف دیکھا۔ وہ بے اختیاری میں کچھ کہنے والی تھی کہ طارق نے اپنی جگکی ہوئی آنکھیں اوپر اخھائیں۔ غزال لرز گئی۔ طارق سے آنکھیں ملتے ہی ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے اس کی زبان پکڑ لی ہو۔ اس کے سارے جسم میں تحریری سی پیدا ہو گئی۔ اس کی بدلتی ہوئی حالت کا احساس قریب قریب سب کو ہو گیا۔

”مگر اؤ نہیں..... ابھی یہ ہوش میں آجائے گی۔ کوئی خطرے کی بات نہیں۔“ طارق اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

یک یہاں کے جسم کی تحریری ہٹ گئی اور اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ ایک پتھر کے بت کی طرح ساکت ہو گئی ہو۔ حتیٰ کہ اسے اپنے دل کی دھڑکن پر بھی شبہ ہونے لگا کہ کہیں اپاک بند تو نہیں ہو گئی۔ وہ شانہ جس پر طارق نے ہاتھ رکھا تھا بالکل سن ہو کر رہ گیا تھا

طارق کے کاندھے پر اس کا عجیب و غریب نہ لالا بیٹھا ایک اخروٹ کتر رہا تھا۔ پر دیز کو ایک صوفے پر لٹا دیا گیا۔ وہ گھرے گھرے سانس لے رہا تھا۔ وہ ہوش میں ضرور آگیا تھا لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کی زبان بند ہو گئی ہو۔ فوراً انی ایک ڈاکٹر کو بلا یا گیا جس نے اطمینان دایا کہ کوئی گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ چند معمولی مداہیر اختیار کرنے پر وہ بولنے کے قابل ہو گیا۔

”پر دیز میاں.....!“ تواب صاحب بولے۔ ”تم کو میں کے پاس کیوں گئے تھے۔“

”تلی بکھنے.....!“ پر دیز تلا کر بولا۔ ”اس کے پلو میں چاند ستارے لگے ہوئے تھے۔“

”یا اللہ! اس کے حال پر رحم کر۔“ تواب صاحب آبدیدہ ہو کر بولے۔

”منگاہ بجئے بھائی جان ملی تھی۔“ پر دیز بچوں کی طرح تھنک کر بولا۔

”ہاں ہاں منگادیں گے۔“ طارق مسکرا کر بولا۔ ”تم چپ چاپ لینے رہو۔“

طارق کی آواز سن کر غزال نے نفرت سے ہوت سکوڑ لئے۔ لیکن اس کی آنکھوں سے نفرت کی بجائے خوف جھانک رہا تھا۔ اس نے انتہائی کوشش کی کہ وہ رات کا واقعہ بیان کر دے لیکن ہمت نہ پڑی۔ معلوم نہیں کہ وہ کون کی پراسرار طاقت تھی جو ہر بار اس کی زبان روک دیتی تھی۔

ابھی تک سب پر دیز کے صوفے کے گرد کھڑے تھے۔

”میلی دودھ پینے کی پچھی۔“ پر دیز اپاٹک اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

”ابھی منگوئے دیتا ہوں۔“ تواب صاحب بولے۔

پر دیز کی دودھ پینے کی شیشی کو میں کی جگت کے قریب ٹوٹی ہوئی پڑی تھی۔

”تم کس وقت دہاں گئے تھے۔“ طارق نے پر دیز سے پوچھا۔

”جب کالی ٹلی پر اونٹ بیٹھا پائی تی رہا تھا۔“ پر دیز نے جواب دیا۔

”معلوم ہوتا ہے رات انہیں خبیث ارواح نے گھرا تھا۔“ طارق کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

”اے گجالا اسے یہاں سے ہٹا دو۔“ پر دیز نے اپنی آنکھیں بند کرتے ہوئے غزال سے کہا۔

”نہیں تو یہ مال ڈالے گا۔“

غزال کے رہے ہے شہباد بھی پر دیز کے اس جملے پر رفعت ہو گئے اور اسے پورا لیکن ہو گیا

کہ ان شیطانی حرکتوں میں طارق کا ہاتھ ہے جس طرح وہ ایک ان جانے خوف کے ماتحت اس کے خلاف کچھ نہیں کہہ سکتی۔ اسی طرح شاید پر وزیر بھی ڈر رہا ہے۔

اسی دن شام کو غزالہ کچھ ایسے انتظامات میں مشغول نظر آئی جیسے اسے سفر کرنا ہے۔ نواب صاحب کے استفسار پر اس نے بتایا کہ وہ اپنے ناموں کے یہاں شہر جا رہی ہے۔ نواب صاحب نے اطمینان کا سائنس لیا۔ وہ پہلے ہی سے چاہتے تھے کہ وہ کچھ دن کے لئے کسی عزیز کے یہاں چلی جائے، انہوں نے اس سے کہا بھی تھا یہ اس پر تیار نہ تھی۔

غزالہ سات بجے شام کی گاڑی سے شہر روانہ ہو گئی۔

روانگی

غزالہ اشیش سے جیسی کر کے فریدی کے گھر پہنچی۔ فریدی گھر پر موجود نہیں تھا۔ سرجنٹ حمید ریڈی پر کپے گانے سن رہا تھا۔ غزالہ کو دیکھ کر اس نے ریڈی پر بند کر دیا اور گھبراہٹ میں اس نے اس سے بیٹھنے کو بھی نہ کہا۔ آخر وہ خود ہی ایک آرام کرسی پر بیٹھ گئی۔

”میا فریدی صاحب تشریف نہیں رکھتے۔“ غزالہ نے پوچھا۔

”کہیں گئے ہیں۔“

”شہر سے باہر۔“

”جی نہیں۔“

”اب تک اوٹھیں گے۔“

”یہ بتانہ زرا دشوار ہے۔“

”خیر میں ان کا انتقال کروں گی۔“

اس کے بعد خاموشی چھاگئی۔

”آپ نے ریڈی کیوں بند کر دیا۔“ غزالہ مسکرا کر بولی۔ ”آپ کو کپے گاؤں سے بڑی دلچسپی

معلوم ہوتی ہے۔"

"ہاں کچھ یوں ہی سی۔" حمید نے دوبارہ ریڈیو کی سوتی گھماتے ہوئے کہا۔

"میا فریدی صاحب آج کل چینی پر ہیں۔"

"تھی ہاں.....!"

"اور آپ بھی۔"

"مجی.....!"

پھر خاموشی چھاگئی۔ تھوڑی دیر بعد حمید اٹھا۔

"تو آپ بھی کہیں جا رہے ہیں۔"

"ڈر اچائے کے لئے کہہ دوں۔"

"اوہ تکلیف نہ کیجئے۔"

"تکلیف کی کوئی بات نہیں۔"

حمید کے چلنے کے بعد غزال نے میز پر کھی ہوئی کتابیں انٹھی پتھنی شروع کر دیں۔ وہ اس وقت فریدی کی لا بہری میں بیٹھی ہوئی تھی۔ یہاں چاروں طرف کتابوں سے بھری ہوئی الماریاں لگی ہوئی تھیں۔ لا بہری کا کمرہ فریدی کے عابرات کے کمرے سے ملا ہوا تھا۔ دونوں کے درمیان صرف ایک دیوار حائل تھی۔ غزال جس میز کی کتابیں دیکھ رہی تھی وہ اسی دیوار سے ملی ہوئی تھی جیسے عی اس نے ریک میں لگی ہوئی کتابوں سے ایک کتاب انھائی اسے دیوار میں ایک بڑا سوراخ دکھائی دیا اور ساتھ ہی سانپ کے مکھ کارنے کی آواز آئی۔ وہ بگھرا کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ آواز پھر سنائی دی۔ اب اس کی سمجھ میں آیا کہ یہ آواز دوسرے کمرے سے اس سوراخ کے ذریعے آ رہی ہے۔ اس نے کتابیں ہٹا کر بے اختیار اپنی آنکھیں سوراخ سے لگادیں۔ دوسرے کمرے میں ایک بہت زیادہ طاقت والا بلب روشن تھا۔ مکھ کار کی آواز سنائی دی اور غزال بے اختیار چیند کر پہنچے ہٹ گئی۔ ایک بڑا سا کالا سانپ زمین پر نہچے ہوئے قائم پر ریک رہا تھا۔

"حمد صاحب، حمید صاحب۔" وہ بے اختیار چینے لگی۔

"کیا بات ہے۔" حمید کمرے میں بے تحاشہ داخل ہو کر بولا۔

"وہ.....وہ..... کمرے میں سانپ "غزال" ہاپتی ہوئی بولی۔

حمد پہنچنے لگا۔

"میں تم کھا کر کہتی ہوں۔ آپ خود دیکھ لجئے۔" غزالہ سوراخ کی طرف اشداہ کرتے ہوئے بولی۔

"تو میں کب کہہ رہا ہوں کہ آپ جھوٹ کہہ رہی ہیں۔" حید سکرا کر بولا۔
غزالہ اسے حیرت سے دیکھنے لگی۔

"دہاں ایک نہیں سیکڑوں ہیں۔"

• "مجی.....!" غزالہ کی حیرت اور بڑھ گئی۔

"مجی ہاں، وہ فریدی صاحب کا عابد خانہ ہے۔ اتفاق سے اس وقت اس کمرے کی کنجی انہیں
کے پاس ہے ورنہ میں آپ کو دہاں کی سیر کراتا۔"
کیا انہوں نے سانپ بھی پال رکھے ہیں۔"
"مجی ہاں سیکڑوں کی تعداد میں۔"

غزالہ خاموش ہو گئی۔ فریدی کی شخصیت اسے طارق کی شخصیت سے بھی عجیب معلوم
ہونے لگی۔ جو اپنے کاندھ سے پرنسدا اٹھائے پھرتا ہے۔

"فریدی صاحب ساڑھے نوبیے تک داچس آجائیں گے کیونکہ یہ ان سانپوں کے دودھ پینے
کا وقت ہوتا ہے۔"

"دودھ کون پلاتا ہے انہیں۔" غزالہ نے پوچھا۔

"خود فریدی صاحب۔"

غزالہ اسے پھر پہنچنی پہنچنی نکل دیں گے دیکھنے لگی۔

"آئیے دوسرے کمرے میں چل کر بیٹھیں، جیسے جیسے ان کے کھانے کا وقت قریب آتا
جائے گا ایسے دیسے ان کی دھماچو کڑی بڑھتی جائے گی۔" حید نے دیوار کے سوراخ کو کتابوں سے
ڈھانکتے ہوئے کہا۔

دونوں لاپتھری سے انہی کڑوں اسکردم میں چلے آئے۔

تحوڑی دیر کے بعد چاہے آگئی۔

"آپ نے خواہ خواہ تکلیف کی۔" غزالہ بولی۔

"ٹکلیف.....! " حمید مسکرا کر بولا۔ " آپ بھی کمال کرتی ہیں۔"

اس نے چائے بنانے کے آگے بڑھا دی۔

بڑے آدمے میں قدموں کی آواز سنائی دی اور پھر سناتا چھا گیا۔ حمید نے پٹ کر دیکھا اس کی
محبوبہ شہزاد دروازہ میں کھڑی غزال کو گھور رہی تھی۔ حمید بونکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

"آؤ..... آؤ۔"

شہزاد اندر آگر بینے گی۔

"چائے.....! " حمید نے اس کی طرف پیالی بڑھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں میں پی کر آئی ہوں۔" شہزاد نے نیک لبجہ میں کہا۔

"آپ سے ملتے آپ غزال خانم ہیں۔ آپ شہزاد بانو۔"

شہزاد اور غزال نے ہاتھ ملاتے ہوئے دو چار رکی جملے دھرائے اور پھر خاموشی سے ایک
دوسری کو دیکھنے لگیں۔

"بھی چائے تو ہر وقت پی جا سکتی ہے۔" حمید نے شہزاد سے کہا۔

"ضروری نہیں کہ میں بھی آپ کے اصول پر عمل کروں.....!" شہزاد نے اس انداز
میں کہا کہ حمید جیپ گیا۔ اب اس نے خاموش رہنا یعنی مناسب سمجھا۔ اس نے محسوس کر لیا کہ اگر شہزاد
غزال کو دیکھ کر کسی شبہ میں جتنا ہو گئی ہے اُنکی صورت میں اسے چھیڑنا یقیناً خطرناک بات تھی۔

"آپ فریدی صاحب سے ملتے آئی ہیں۔" حمید نے کہا۔

"ہوں.....!"

حمدی کے اس فضول جملے پر غزال سمجھ گئی کہ حمید شہزاد کو مطمئن کرنا چاہتا ہے۔ لہذا وہ خود
بھی فریدی کے متعلق گفتگو کرنے لگی۔

"معلوم نہیں فریدی صاحب کب آئیں گے۔ ان سے میرا لمانا ضروری ہے۔" غزال بولی۔

شہزاد سے مخلوق نظر وہ سے دیکھنے لگی۔

اُبھی یہ گفتگو ہوئی رہی تھی کہ بڑے آدمے میں قدموں کی آہٹ سنائی دی اور فریدی
اگر یہی سروں میں سٹی بجاتا ہو اکبرے میں داخل ہوا۔

"اُرے غزال خانم خیریت۔" فریدی نے دروازے میں رک کر کہا۔

سب لوگ کھڑے ہو گئے۔

”کب آئیں۔“ فریدی نے غزالہ سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

”تقریباً ایک گھنٹہ سے آپکا انتفار کر رہی ہوں۔ اشیں سے اتر کر سیدھی اوہ رہی آئی ہوں۔“

”اور حمید صاحب آپ کو محض چائے پر تال رہے ہیں۔ بیٹھنے پہنچے۔“

پھر حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ ”ارے بھی کھانے کے لئے کہو۔“

”نبیں نہیں میں کھانا نہیں کھاؤں گی۔ ابھی مجھے اپنے ایک عزیز کے بیہاں جاتا ہے۔“

”عزیز تو میں بھی ہوں۔ کیا نواب صاحب نے آپ کو نہیں بتایا۔“ فریدی نے کہا۔

”بتایا تھا..... لیکن.....!“

”لیکن ویکن کچھ نہیں.....!“ فریدی نے پھر حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”حید.....!“

”خیر کھالوں گی..... لیکن پہلے وہ کام ہوتا چاہئے جس کے لئے میں آئی ہوں۔“

”کیا بات ہے کوئی خاص پریشانی.....!“

”تھی ہاں۔“

”بیان کر سکتے۔“

”میں..... ہاں..... جی..... جی..... ابھی آپ کہل سے تھکے ہوئے آرہے ہیں.....“

ذر اآرام کر لیجئے۔“

فریدی سمجھ گیا کہ وہ شہزاد کی موجودگی میں کچھ کہتے ہوئے پھکپاتی ہے۔

”آئیے میں آپ کو اپنا گرد کھاؤں.....!“ فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

غزالہ بھی کھڑی ہو گئی۔

”نہیں علاج بخانہ ضرور دکھائیے گا..... ابھی آپ کی لاہری سے ایک سانپ دیکھ کر ذرگئی تھیں۔“ حمید نے کہا۔

”چھا.....!“ فریدی نے کہا۔ ”خیر آئیے۔“

دونوں ذرا سُنگ رومن سے چلے گئے۔

”تم کچھ نہ ارض معلوم ہوتی ہو۔“ حمید نے شہزاد سے کہا۔

”نہیں تو.....!“

”پھر جائے کیوں نہیں ہے۔“

”واہیہ اچھی رہی۔“

”یقیناً جائے اچھی ہے تمہی کرتودیکھو۔“

”چھوڑیے..... آپ تو خواہ تجوہ جلوں کو توڑنے مردڑنے لگتے ہیں۔“ شہزاد نے عکس

آکر کہا۔

”لیکن آج تک کسی بھلے نے مجھ سے اس کی شکایت نہیں کی۔“

”بس اب چل پڑا چڑھ.....!“ شہزاد مٹھے بن کر بولی۔

حمدہ پہنچ لگا۔

”اچھا یہ بتائیے کہ آپ وعدہ کرنے کے باوجود بھی کل کیوں نہیں آئے۔“ شہزاد نے کہا۔

”یہ فریدی صاحب سے پوچھو، ان کے چکر میں پڑنے کے بعد اس سے نکلا مشکل ہوتا ہے۔“

”آج کل کون سا چکر..... چھٹی پر ہیں تا.....!“

”جس پر ہر وقت کام کرنے کا بھوت سوار رہتا ہو اس کے لئے کیسی چھٹی اور کیسی

مشکولیت، غزالہ کا اس وقت آنا مجھے پریشان کر رہا ہے۔“

”کیوں.....!“

”کوئی غیر معمولی بات۔“

”تو آپ کو کس بات کی پریشانی ہے۔“

”پریشانی یوں ہے کہ کہیں یہ پیشیوں کا زمانہ یوں ہی برپا نہ ہو جائے۔ اگر وہ کسی معاملے میں

فریدی صاحب سے مدد لینے آئی ہے تو پھر پیشیوں کا اللہ ہی مالک ہے۔“

”یہ غزالہ کون ہے۔“

”داراب گر کے جاگیر دار نواب رشید الزماں کی لڑکی۔“

پھر خاموشی چھاگئی۔

”درالصل میں یہ کہنے آئی ہوں کہ پرسوں میری ساگر فہر۔“

”تم کیا کھلاوگی مجھے۔“

”یعنی دراپس.....!“ شہزاد نے کہا اور ہنسنے لگی۔

"خوب ہم تو.....!" وہ شہزاد کے گال کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"آپ شیطان ہیں۔" شہزاد نے آہستہ سے کہا اور شرما کر سر جھکایا۔

"اچھا ہم شیطان ہیں۔"

"شہزاد نے سر ہلا دیا۔" اس کے ہونٹوں پر شر میلی مسکراہٹ پھیل ری تھی۔

"جاڑ نہیں بولتے۔" حمید نے روٹھ جانے کی ایکسٹک کی۔

"اس کے علاوہ اور کچھ بھی آتا ہے آپ کو۔" شہزاد بولی۔

"کہا آتا ہے..... بجانا آتا ہے..... مگر شرط یہ ہے ہاتھ میرے سر دوسرے کا ہو۔

تیرنا آتا ہے فن شہسواری کا ماہر ہوں۔ بچپن میں خود ہی گھوڑا بن جانا تھا۔ کھانا پکانیں سکتا تھا کھانا آتا ہے۔ والد بزرگ کو اکثر فرماتے ہیں کہ.....!"

"بس بس.....!" شہزاد ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "پھر چل پا چرخ۔"

"اچھا سے جانتے دو....." حمید سمجھیدہ ہو کر بولا۔ "تم پھولوں سے زیادہ سین ہو۔ کنول سے زیادہ تازگ، تمہاری آواز نہیں شہد کی بود ہے جب تم مسکراتی ہو تو کلیاں کھل جاتی ہیں، جب چلتی ہو تو قیامت اپنے گریان میں منہ ڈال کر کھڑی کی کھڑی رہ جاتی ہے اور جب نہیں چلتی ہو تو قیامت اپنا ارادہ بدلت کر..... اداہ وہ..... بدلت کر..... کیا کرنے لگتی ہے..... جانتی ہو..... تم نہیں جانتیں۔ اچھا میری آنکھوں میں دیکھو..... کیا کھائی دیتا ہے۔"

"کلیوں کا تبسم، پھولوں کا تکھار" شہزاد حمید کے لبھ کی نفل کرتی ہوئی بولی۔

"پتوں کی جوانی، بیکلی کی چلک، بادلوں کی گرج و غیرہ وغیرہ۔"

"سب تو تم ضرور اپنی آنکھوں کا علاج کرو۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "میری آنکھوں میں صرف دیتے ہیں..... دیدے..... کیا سمجھیں۔"

"اپنا سر!" شہزاد بھیجنپ کر بولی۔

حمدید کچھ کہنے عن والا تھا کہ ایک نو کرنے کھانے کی اطلاع دی۔

"اپنکے صاحب اور سہماں کھانے کی میز پر آپ لوگوں کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"میں تو چلی.....!" شہزاد نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"وہ چاۓ نہیں لی تو کھانا بھی نہ کھاؤ گی۔" حمید نے کہا۔

کھانے کی میز پر زیادہ تر خاموشی ہی رہی، فریدی کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ اسے اس حال میں دیکھ کر حمید کا تھا نہ کہ۔ فریدی کا اس طرح سوچ میں ڈوب جانا خاص ہی خاص موقعوں پر دکھائی دیتا تھا۔

کھانا کھاچنے کے بعد تھوڑی دیر تک ادھر اور ہر کی باتیں ہوتی رہیں پھر غزالِ الحیتی ہوتی بولی۔
”اچھا تو میں چلتی ہوں..... اشیش پر تمن بجے آپ لوگوں کا انتظار کروں گی۔“

”بہت اچھا.....!“ فریدی نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا اور بینٹ گیا۔ وہ اس طرح سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کہ غزال کو رخصت کرنے کے لئے برآمدے تک بھی نہ گیا۔
حید اور شہناز سے چھانک تک پہنچا کر لوٹ آئے۔

”تو کیا آپ لوگ کہیں جا رہے ہیں۔“ شہناز نے فریدی سے پوچھا۔
”ہاں ایک ضروری کام ہے۔“

”پرسوں میری سالگرد ہے..... میں آپ لوگوں کو مدد عور نے آئی تھی۔“
”مگر تم نے اس وقت مدعا کیا جب میں نے ایک دوسرے سے وعدہ کر لیا۔ پہلے ہی کیوں نہ بتا دیا۔“

”موقع ہی کہاں مل سکا۔“ شہناز نے کہا اور حید کی طرف دیکھنے لگی۔
”یہ بھی میرے ساتھ جا رہے ہیں۔“ فریدی بولا۔

”واپسی کب تک ہو گی۔“

”یہ بھی نہیں بتا سکا۔“

شہناز تھوڑی دیر منہ لٹکائے بیٹھی رہی پھر انٹھ کر باہر چلی گئی۔

حید کو فریدی پر سخت غصہ آرہا تھا۔ وہ شہناز کے پیچے پیچے پہنچنے لگا۔
”بھی بتاؤ اب میں کیا کروں۔“ حید نے شہناز سے کہا۔

شہناز کوئی جواب دیئے بغیر سڑک پر ہوئی اور حید لوٹ آیا۔

”ایک بہت دلچسپ کیس.....!“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”بچھے چھپیوں میں اس قسم کی دلچسپیوں سے نفرت ہو جاتی ہے۔“ حید نے منہ بنا کر کہا۔
”میکو نہیں، تمہیں میرے ساتھ چلانا پڑے گا۔“ فریدی نے کہا۔

"حکم حاکم مرگ مفاجات۔" حمید بے دلی سے بولا۔

"یہ بات نہیں پیارے..... چلو بس ہرہ آجائے گا۔" فریدی اس کا شاند تھکتے ہوئے بولا۔
حمید خاموش رہا۔

"بھی تمہارے عشق سے تو میں لگک آگیا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"خدا کرے کہ آپ کو بھی کسی سے ہو جائے۔" حمید بل کر بولا۔

"ای دن خود کشی کر لوں گا بر خوردار۔" فریدی اپنے سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔

"تو تھوڑی دیر کے لئے فرض کر لیجئے کہ آپ کو عشق ہو گیا۔"

"اف فوہاں قدر عاجز آگئے ہو مجھ سے۔" فریدی نے کہا۔ "خیر خبر جا کر اپنا سامان درست کرو۔ ہمیں تین بیجے کی گاڑی سے داراب مگر جاتا ہے"

حمد خاموشی سے اپنے کرے کی طرف چلا گیا اور فریدی نے سگار سلاک کر ٹھلنا شروع کر دیا۔

لا سبریری میں لاش

غزالہ دونوں کا اشیش پر انتقال کر رہی تھی۔ فریدی اور حمید وقت پر ہنگی گئے۔ ان کا سامان ایک فرست کلاس کپارٹمنٹ میں رکھ دیا گیا۔

ٹرین پر غزالہ نے پھر وہی گفتگو چیزیں دی۔ حمید کو اس بارے میں ابھی لگک پچھے بھی معلوم نہیں تھا چونکہ اس کو طوعاً و کرہا جانا پڑ رہا تھا اس لئے اس نے اپنی بے تلقی ظاہر کرنے کے لئے فریدی سے یہ بھی پوچھنے کی رسمت گوارا نہیں کی تھی کہ آخر داراب مگر جانے کی وجہ کیا ہے۔ لیکن ٹرین پر جب اس کا تذکرہ ہونے لگا تو اس کی دلچسپی بھی بڑھ گئی اور وہ خلاف عادت بیاش نظر آئی۔ اس کی خطرت بھی عجیب تھی۔ کام کے موقعوں پر وہ ہمیشہ اپنی گفتگو کرنے لگتا تھا جیسے وہ انتہائی نکما اور کام چور ٹھم کا آدمی ہے لیکن حقیقتاً ایسا نہیں تھا۔ جب وہ کسی کام میں لگ جاتا تھا تو اسے پوری پوری ذمہ داری کے ساتھ انجام دیتا تھا۔ خطرناک موقعوں پر بظاہر وہ ایک ڈرپُک ٹھم کا

مکرہ نظر آتا تھا لیکن خود اس کی دل کی گہرائیوں میں خوف کی ایک نرمی سی ہے بھی نہ ہوتی تھی۔ فریدی اس کی فطرت سے اچھی طرح واقف تھا لوری یہ بھی جانتا تھا کہ اس سے کس طرح کام لیا جاسکتا ہے۔

غزالہ نے طارق اور اس کے عجیب و غریب نخلے کا ذکر چھینگر کھا تھا۔ معلوم نہیں کیون فریدی کی موجودگی میں اسے طارق کی خفتاک آنکھیں نہیں یاد آئیں۔

”میں نے بھی ایسا نہیں لے آج تک نہیں دیکھا۔“ حمید نے کہا۔

”یقیناً وہ ایک نایاب چیز ہے اور بہتری غیر معمولی خصوصیات کا حامل بھی۔ برائلیں کے قدیم باشندے اسے شایکی کہتے ہیں اور بہت ادب سے اس کا نام لیتے ہیں کیونکہ وہ ان کا ایک دیوتا ہے۔ ایک خاص تھوار کے موقع پر وہ اس کی پوجا کرتے ہیں۔ یقیناً طارق کو اسے حاصل کرنے میں بڑی دشواری کا سامنا کرنا پڑا ہو گا۔ فریدی سکار کا کش لے کر خاموش ہو گیا۔

”میرا خیال ہے کہ آپ اس کے بدلے میں طارق سے بھی زیادہ جانتے ہیں۔“ غزالہ نے کہا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بدستور اپنے خیالات میں کھو یا ہوا تھا۔ فختا چوک کر کہنے لگا۔ ”کیا یہ وعی طارق تو نہیں، جو دنیا کی بہت سی زبانیں جانتا ہے۔“

”ہاں..... لیکن کیا آپ اسے جانتے ہیں۔“

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی آنکھیں بدستور ثرین کے باہر چھلیے ہوئے اندر میرے میں گھور رہی تھیں۔

حمد اچھی طرح جانتا تھا کہ فریدی ایسے موقعوں پر ٹنگلوں کا پسند نہیں کرتا جب وہ کسی گھری سوچ میں ہو۔ اس لئے اس نے غزالہ کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

”وہ اس سے واقعات کی تفصیل پوچھتا رہا۔“

فریدی پھر چونکا۔

”حمد کیا جھیں دھرم پور کے جنگلوں کے بھوت یاد نہیں۔“

”یاد ہیں، لیکن یہ معاملہ اس سے مختلف معلوم ہوتا ہے۔“ حمید نے کہا۔

”کیوں.....!“

”اس لئے کہ ہم یہ سارے واقعات شاید اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں۔ بھلا درود دیوار سے

پر اسرار کنوں

جانوروں کی آوازیں آنا کیا معنی رکھتا ہے اور پھر جانوروں کی موتیں۔ کنوں سے چنگاریوں کا لکھنا تو خیر کوئی اسی بات نہیں۔"

"سب کچھ ممکن ہے۔" فریدی نے آہست سے کہا اور بجھا ہوا۔ گار سلاٹے لگا۔

"جانوروں کے بعد اب آدمی کا نمبر آیا ہی پاہتا ہے۔" فریدی نے گار کا ایک طویل کش لے کر کہا۔

غزال بے اختیار چونکہ پڑی۔

"ایسا مطلب.....!"

"مگر ایسے نہیں..... آپ بالکل صحیک وقت پر میرے پاس پہنچیں۔" فریدی نے کہا۔
تواب صاحب پرانے خیالات کے آدمی ہیں۔ ان کا ذہن بھوتوں سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ وہ کیا جانیں کہ سائنسی دور میں ایک معمولی آدمی بھی اس حتم کے مجرے دکھا سکتا ہے۔"

"خیر یہ تو میں بھی کہہ سکتی ہوں کہ یہ سائنس کا کرشمہ ہے۔ البتہ یہ ضرور یقین رکھتی ہوں کہ اس میں کسی آدمی کا ہاتھ ہے، جو اپنی پر اسرار قوتوں سے کام لے رہا ہے۔"

"غائب آپ کا اشارہ طارق کی طرف ہے۔" فریدی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

غزال نے کوئی جواب نہ دیا۔

اس گنگلو کے بعد پھر خاموشی چھاگئی اور فریدی خلاء میں گھورنے لگا۔ کچھ ملکجاہ سامان تھا۔
خشندہ ہوا کے فرحت انگیز جھوٹکے صحیح کی آمد کا پیام دے رہے تھے۔ حمید اونٹھنے لگا تھا۔ غزال کی خوبصورت آنکھیں بھی نیند کے دباؤ سے بو جھل ہوتی جاری تھیں۔ فریدی کے پھرے پر بس ہزار گی نظر آری تھی۔ جیسے وہ رات بھروسے رہنے کے بعد سورج نکلنے سے قبل انٹھ گیا ہو۔ صحمن کی ایک ٹھنک بھی اس کی پیشانی پر نہ تھی۔ البتہ اس کی آنکھیں گہرے ٹکڑا کاپڑے دے رہی تھیں۔
تقریباً چھ بجے وہ لوگ داراب گلر پہنچ گئے۔ کوئی کے چھانک میں داخل ہوتے ہی غزال کا دل نہی طرح دھڑ کئے لگا۔ پوری تیکوں دو تین کا نشیبل کھڑے تھے اور کچھ اس حتم کی پریشان کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں جیسے کوئی صلاش ہو گیا ہو۔

غزال فریدی اور حمید کو چھپے چھپے ڈکرے تھا۔ شماں بھاگی۔

وہ دونوں ٹیکسی پر سے سامان اتردا ہی رہے تھے کہ غزال دوڑی ہوئی واپس آئی۔

”لاش، لا بیری میں لاش۔“ وہ بھائی ہوئی بولی۔

”کس کی لاش.....!“ فریدی نے پر سکون لجھے میں پوچھا۔

”ایا جان کے پر ایسے بیٹ سیکر شری کی۔“

”اور آخر وہی ہوا..... جس کا کھنکا تھا۔“ فریدی نے سامان دہیں چھوڑ کر آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ غزالہ اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے تجز قدموں سے کوئی کی طرف جادی تھی۔ متعدد کروں سے گذرتے ہوئے وہ لا بیری کے برآمدے میں پہنچے۔

یہاں گھر کے سارے نوکر اکھاتھے اور دونوں کو آتا دیکھ کر وہ ادھر اور ہر ہٹ گئے۔

لا بیری میں دو سب انسپکٹر ایک ہیڈ کا نشیل، طارق اور نواب صاحب کھڑے تھے۔ کھڑکی کے قریب رکھی ہوئی کرسی کے پاس ایک آدمی اس طرح پڑا تھا جیسے وہ اسی کرسی پر بیٹھے بیٹھنے زمان پر لاڑک گیا ہو۔ اس کا ایک ہاتھ ابھی تک کرسی علی پر تھا۔

”اے فریدی میاں.....!“ نواب صاحب بے ساختہ اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولے۔ ”بھی تھیک وقت پر آئے۔“

”یہ واقعہ کب ہوا۔“

”معلوم نہیں..... لیکن صحیح مجھے ایک نوکرنے آکر اس کی اطلاع دی۔“

”ہوں.....!“ فریدی نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔

”میں کیا ہتاوں کہ میں کن مصیبتوں میں پھنس گیا۔“ نواب صاحب نے کہا۔

”مجھے غزالہ صاحب کی زبانی سب کچھ معلوم ہو چکا ہے۔“

”تو کیا غزالہ تمہارے ہی پاس گئی تھی۔“ نواب صاحب بولے۔ ”اس نے بڑی روانش مندی سے کام لیا۔ میری تو عملی ماری گئی تھی۔“

”آپ کی تعریف.....!“ ایک سب انسپکٹر نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

”اے آپ انہیں نہیں جانتے۔“ نواب صاحب نے حیرت کا انکھدار کرتے ہوئے کہا۔ ”یہ

مکمل سراغ رسانی کے انسپکٹر فریدی ہیں۔“

”اوہ.....!“ سب انسپکٹر نے فریدی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ ”جب تو پھر ہم لوگوں کی

کوئی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی۔“

”آپ لوگ خواہ مخواہ مجھے شر مندہ کر رہے ہیں۔“ فریدی نے کہا اور لاش کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”کوئی رخص نہیں..... کوئی نشان نہیں۔ گردن بھی ہم نے بغور دیکھی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ موت کیسے واقع ہوئی ہے۔“ سب اسپکٹر نے کہا۔

”ذرا میں بھی دیکھے لوں۔“ فریدی نے لاش کے قریب مجھتے ہوئے کہا، وہ بڑی دری تک اپنے مدد بخشی سے لاش کا معائنہ کرتا رہا۔

”آپ تھیک کہتے ہیں۔“ فریدی نے سب اسپکٹر کی طرف مرتے ہوئے کہا۔

”کوئی نشان نہیں، آپ نے ابھی تک کسی ڈاکٹر کو نہیں بلوایا۔“

”آئی رہا ہو گا۔“ سب اسپکٹر بولا۔

”کیا یہ رات میں باہر بیٹھا کر تاخال۔“ فریدی نے نواب صاحب سے پوچھا۔

”نہیں..... کل ہی میں نے اسے ایک کتاب حلاش کرنے کے لئے یہاں بیٹھا تھا اور مطمئن ہو گیا تھا کہ وہ کتاب حلاش کر کے اپنے کمرے میں آگیا ہو گا۔“

” غالباً وہ اس کر سی پر بیٹھ کر کچھ پڑھنے لگا ہو گا۔“ فریدی نے کہا۔

”اور اچاک کوئی خوفناک چیز دیکھ کر دل کی حرکت بند ہو گئی۔“ طارق نے کہا۔ فریدی اسے گھورنے لگا۔

”اور وہ خوفناک چیز کیا ہو سکتی ہے....!“ فریدی نے ایسے لجھے میں کہا کہ طارق گربا گیا۔

”ابھی آپ ہی نے فرمایا ہے کہ آپ کو سب حالات معلوم ہو چکے ہیں۔“ طارق نے اپنے نولے کو کاندھے سے اتار کر گود میں لیتے ہوئے کہا۔

”یہ شاکی آپ کو کہاں سے ملا۔“ فریدی نے بے ساختہ پوچھا۔

”اوہ.....!“ طارق نے چوک کر کہا۔ ”تو آپ اس کا نام جانتے ہیں۔“

”ان دیوں تا مہاراج کو کون نہ جانتے گا۔“

طارق فریدی کو حیرت سے دیکھنے لگا۔

انتہی میں ڈاکٹر آگیا۔

”آپ معائنہ کر سکتے ہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”ہم لوگ دیکھ بھال کر چکے ہیں۔“

ڈاکٹر کافی دیر تک لاش کا معاشر کرتا رہا۔
 ”موت واقع ہوئے تقریباً پاریا پانچ گھنٹے ہو چکے ہیں۔“ ڈاکٹر نے سراخا کر کہا۔
 ”موت کی وجہ.....!“ فریدی نے پوچھا۔
 ”اپاںک قلب کی حرکت بند ہو گئی۔“ ڈاکٹر نے کہا۔
 ”دیکھا آپ نے.....!“ طارق بے ساختہ بولا۔
 ”میادل کی کسی بیماری میں جلا تھا۔“ فریدی نے طارق کی بات کو نظر انداز کر کے تواب صاحب سے پوچھا۔

”ہاں..... اسے عرصہ سے اختناق قلب کی تکلیف تھی۔“

”تب تو میرے خیال سے ہمیں واپس ہی چلانا پا ہے۔“ سب اسکریز بولا۔

”ٹھہر ہے۔ ابھی شہمات رفع نہیں ہوئے۔“ فریدی کری سے اشتعہ ہوئے بولا۔
 وہ کھڑکی کے قریب کھڑا ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

”تواب صاحب..... کیا یہاں روز رات کو کوئی بیٹھا کرتا ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔
 ”میں خود بلا ناغہ دو تین گھنٹے یہاں بیٹھ کر پڑھتا ہوں۔“

”ٹھیک.....!“ فریدی نے میز پر پڑی ہوئی کشتنی نمائونی اٹھاتے ہوئے کہا۔

”یہ غالباً اسی کی نوپی ہے۔“

”نہیں میری ہے۔“

”آپ کی.....!“ وہ کھڑکی کے باہر دیکھتے ہوئے بولا۔

”ہاں..... اس میں تجہب کی کوئی بات ہے۔“ تواب صاحب حیرت سے بولے۔

”آپ کون ساتھ استعمال کرتے ہیں۔“ فریدی نے اپاںک پوچھا۔

”کوئی نہیں۔“ تواب صاحب اپنے گنجے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جھینپتے ہوئے بولے۔

”معاف کرنے گا..... ایک بہت ضروری سوال تھا۔“ فریدی نے میز پر نوپی رکھتے ہوئے کہا۔

”ہے چینی سے کمرے میں ٹھلنے لگا۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے اس نے دوسروں کی موجودگی

کو قطعی فراموش کر دیا ہو۔

حیرت انگلیز انکشافات

فریدی کی آنکھیں دبے ہوئے جوش کا انکھار کر رہی تھیں۔ ایک بار رک کر اس نے سارے سلکیا اور دو تین لبے لبے کش لینے کے بعد پھر ٹلنے لگا۔ کھڑکی کے قریب جا کر اس نے ادھر اور دیکھا اور تواب رشید الزماں کے سامنے کھڑا ہوا کر انہیں گھورنے لگا۔

”ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ اتنی رات گئے تک کتاب کیوں ڈھونڈھتا رہا۔ کیا اس کے پارے میں آپ کا کوئی سخت حکم تھا۔“

”بالکل نہیں۔“ تواب صاحب بولے۔ ”میں نے اس سے شام کو کہا تھا کہ کسی وقت کتاب ڈھونڈھ لے گا۔ میں نے اس سے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ رات ہی کوڈھونڈھ لے۔“

”کیا آپ کل حسب دستور یہاں آئے تھے۔“

”نہیں..... جب سے یہ واقعات رو نہ ہوئے شروع ہوئے ہیں میں نے رات میں یہاں بیٹھنا قرب قریب تر کر دیا ہے۔ اگر کبھی آتا بھی ہوں تو دس بجے سے پہلے پہلے اٹھ جاتا ہوں۔“

”کل رات آئے تھے یا نہیں۔“

”کل شام ہی سے میری طبیعت بھاری تھی..... اسلئے میں نے پڑھنا مناسب نہیں سمجھا۔“

”ٹھیک.....!“ فریدی نے کہا اور ٹلنے لگا۔

”آپ بے کار پریشان ہو رہے ہیں، یہ کھلا ہوا آسمی محاصلہ ہے۔“ سب انکھیں نے کہا۔

فریدی نے اسے ہاتھ انداز کر چپ رہنے کا اشارہ کیا۔

پولیس والے مسکرا کر رہے گئے۔ صرف حمید اور غزالہ خاموشی کے ساتھ فریدی کی لمحہ پر لمحہ بدلتی ہوئی حالت کا جائزہ لے رہے تھے۔ طارق کے ہونٹوں پر اس کی پراسرار مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

فریدی کھڑکی کے پاس کھڑا ہوا کر کچھ دیر تک سوچتا رہا پھر تواب صاحب کی طرف مزکر بولا۔

”آپ اسی کری پر مبنی کر پڑھتے ہیں۔“

”ہاں.....!“

”قریب قریب ہمیشہ۔“

نواب صاحب نے سر ہلا دیا۔ وہ فریدی کے الٹے سید ہے سوالات سے کچھ آتا ہے ہوئے سے نظر آ رہے تھے۔

”ایک بات اور..... کیا آپ پڑھتے وقت ایک بار پانی پینے کے عادی ہیں۔“

”ہاں.....!“ نواب صاحب حیرت سے بولے۔ ”لیکن تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا۔“

”ابھی بتاتا ہوں۔“ فریدی نے ایک بار پھر کھڑکی کے قریب جاتے ہوئے کہا۔

اس نے کھڑکی سے باہر سر نکال کر ادھر اور ڈکھا اور نواب صاحب کے پاس لوٹ آیا۔

”آپ کو ایک تکلیف دینا چاہتا ہوں۔“

”ہاں ہاں کہو۔“

”ڈر اور منٹ کے لئے اس کری پر بیٹھے جائیے۔“ فریدی نے اس لاش کے قریب والی کرسی کی طرف اشده کرتے ہوئے کہا۔

نواب صاحب حیرت سے اس کامنہ سکنے لگا۔

”امید ہے آپ نہ انہماں نیں گے۔ لیکن یہ ضروری ہے۔“

نواب صاحب کری پر بیٹھ گئے۔

”اور اب یہ نوپی پہن لجھے۔“ فریدی نے میز پر پڑی ہوئی نوپی کی طرف اشده کرتے ہوئے کہا۔ سب اسکنہ پہنے لگا۔ نواب صاحب بھی خفیہ ہوئے لیکن فریدی کی کڑی نظرؤں نے طریقہ انداز میں مسکراتے ہوئے چہروں پر ایک بار پھر سنجیدگی پھیلا دی۔

نواب صاحب نے نوپی پہن لی۔

”میں ایک منٹ آیا۔“ فریدی نے حید کا ہاتھ پکڑ کر اسے باہر لے جاتے ہوئے کہا۔

دونوں لا بھری کی پشت پر آکر کھڑے ہو گئے۔

”دیکھ رہے ہو حمید۔“ فریدی نے کہا۔ ”کھڑکی سے صرف نواب صاحب کی نوپی دکھائی دے رہی ہے اور ان کی پیٹھے ہماری طرف ہے اور اس کھڑکی کی اوپنچائی بھی تم دیکھ رہے ہو۔“

”تو کیا.....!“ حمید کی آنکھوں سے حیرت کی جھلکیاں دکھائی دیں۔

”تم سینیں نہ ہو..... اور ان کا خیال رکھنا۔“ فریدی نے کھڑکی کے نیچے پڑے ہوئے ایک

ٹوٹی ہوئی صراحی کے خیکروں کی طرف اشادہ کرتے ہوئے کہا۔
حیدا سے حیرت سے دیکھنے لگا۔

”اُن پر کڑی نظر رکھنا کوئی انہیں چھو نہ شپائے۔“ فریدی نے کہا اور لا بھر بھری میں چلا گیا۔ نواب صاحب اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”اب اٹھ جائیے..... یہاں کا کام ختم۔“ فریدی نے کہا۔
نواب صاحب اٹھ گئے۔ ہر ایک کی حیرت زدہ نگاہیں فریدی کے پھرے پر گلی ہوئی تھیں۔
”اب اگر آپ لوگ ایک دلچسپ تماثل دیکھنا چاہیں تو میرے ساتھ آئیے۔“ فریدی ہینہ کا نشیل کی طرف مڑ کر بولا۔ ”دیوان جی آپ میمیں لاش کے پاس نہ بھریے۔“
ہینہ کا نشیل کے علاوہ اور سب لوگ فریدی کے ساتھ لا بھر بھری کی پشت پر آگئے۔ حید ابھی تک کھڑا خیکروں کی گمراہی کر رہا تھا۔ فریدی نے ادھر ادھر دیکھا۔ ایک کمرے کی کھڑکی میں لٹکے ہوئے بیتل کے بڑے پے طلتے میں ایک سفید رنگ کا بھاری مجرم طوطا بیٹھا اور گھر رہا تھا۔ اس کے ایک جگہ میں سبھرے رنگ کی ایک سبک دی زنجیر پڑی ہوئی تھی۔ زنجیر کا دوسرا سر اعلیٰ میں لٹکا ہوا تھا۔

”بہت خوبصورت طوطا ہے۔“ فریدی نے اسے تعریفی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔
نواب صاحب اس کا منہ دیکھنے لگا۔

”یا آپ اسے یہاں منتکو اکتے ہیں۔“ فریدی نے نواب صاحب سے کہا۔
”کیوں نہیں۔“ نواب صاحب نے کہا۔ لیکن ان کی نظر وہ میں خاترات کی جھلکیاں دکھائیں دے رہی تھیں۔ فریدی نے اسے محسوس کیا لیکن سرف مسکرا کر رہ گیا۔
نواب صاحب کے اشادے پر ایک نوکر طوطے کو کھڑکی سے اٹارا یا۔

فریدی کھڑکی کے نیچے پڑے ہوئے خیکروں کی طرف بڑھا۔ ایک بڑا سا خیکرا جس میں تھوڑا سا پانی تھا انھا کر طوطے سے قریب لایا اور اس کی چوچی سے لگا دیا۔ طوطا پانی پینے لگا۔ ابھی وہاں پی سی رہا تھا کہ طارق کا نیو لا اچھل کر فریدی کے ہاتھ پر آرہا۔ خیکرا اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔
فریدی نے مسکرا کر طارق کی طرف دیکھا۔

”مجھے افسوس ہے جتاب۔“ طارق نے معتذرات کرتے ہوئے نوٹے کو کپڑا لیا۔

”مکھیل واقعی بڑا لچپ ہے۔“ تواب صاحب طنزیہ انداز میں یوں لے۔

”دیکھتے جائیے، اصل مکھیل تواب بھی شروع ہی نہیں ہوا۔“ فریدی نے مسکرا کر جواب دیا۔
”اچھا.....!“ تواب صاحب کا طنزیہ انداز بدستور قائم رہا۔

”تو ایک خالی بوس مانگوایے۔“ فریدی نے تواب صاحب سے کہا۔

فریدی نے طوٹے کا حلقة اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ اس کی تیز نگاہیں طوٹے کا گہر اجازتہ لے رہی تھیں۔

”جید! بقیہ سیکروں کا پانی احتیاط سے اس بوس میں ڈال لو۔“ فریدی نے بوس نوکر کے ہاتھ سے لے کر جید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

ہر چند کہ معاملات بہتوں کی سمجھ میں نہیں آرہے تھے۔ لیکن ہر ایک کی نظر طوٹے کی طرف گلی ہوئی تھی۔ یک بیک طوٹے نے پر پھر پھر اسے شروع کئے اور دیکھتے ہی دیکھتے حلقت سے لڑک کر زنجیر میں جھوول گیا۔

”ارے.....!“ تواب صاحب کے منہ سے بے اختیار نکلا اور انہوں نے جھپٹ کر حلقت فریدی کے ہاتھ سے لے لیا۔

”ارے یہ تو مر گیا۔“ تواب صاحب کی آنکھیں جھٹ سے چھپی ہوئی تھیں۔

فریدی ان کی بات سنی کر کے سب انپکڑ پولیس کی طرف مڑا۔

”داروغہ بھی..... آپ سیکریٹری کی لاش پوست مارٹم کے لئے بھجو سکتے ہیں اور ساتھ یہ ساتھ..... یہ مردہ طوطا بھی۔“

”تو کیا..... تو کیا.....!“ سب انپکڑ اس کے آگے نہ کہہ سکا۔

”جی ہاں..... جس زہر نے طوٹے کی پانی سکریٹری کی سوت کا بھی باعث ہے۔“ فریدی نے پر سکون لجھے میں کہا۔

”زہر.....!“ تواب صاحب کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

”جناب والا.....!“ فریدی نے قدرتے بھکتے ہوئے کہ ارے یہ بھی واضح رہے کہ زہر

دینے والے کا نشانہ خود آپ تھے وہ تو یہ کہنے سیکریٹری کی قضا آئی تھی۔“

”میں.....!“ تواب صاحب پوچک کر بولے۔

”میں ہاں.....!
”مگر کیسے۔“

”بہت ہی معمولی بات ہے۔ آئیے لا بیر بیری میں چل کر آپ کو سمجھاؤں۔“
فریدی نے طارق کی طرف مکراتے ہوئے دیکھا۔

سب لوگ پھر لا بیر بیری میں چلے آئے۔ فریدی کی گنگلوں کر غزالہ کی حالت غیر ہوری
تم۔

”سیکریٹری کی موت کا باعث غالباً آپ کی ٹوپی ہے۔“ فریدی نے کہا۔
”تم پہلیاں بھجوار ہے ہو، جو کچھ کہنا ہو صاف صاف کہو۔“ نواب صاحب نے آتا کر کہا۔
”میں اختلاج قلب کا سریض ہوں۔“

”خہر ہے..... ابھی آپ نے مجھے بتایا ہے کہ آپ کوئی تسلی استعمال نہیں کرتے، لیکن
ذرا اس ٹوپی کا اندر ورنی حصہ سوچنے خواہ۔“ فریدی نے ٹوپی نواب کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔
نواب صاحب نے ٹوپی کو لے کر سوچھا اور سر ہلانے لگا۔

”اپنی ہی خوشبو اس کے سر میں بھی موجود ہے۔“ فریدی نے لاش کی طرف اشادہ کر کے
کہا۔ ”رات پڑھتے وقت شاید اس نے آپ کی ٹوپی پہن لی تھی۔ میں نے آپ کو یہ ٹوپی پہن کر اس
کر سی پر بیٹھنے کے لئے کہا تھا۔ باہر جا کر دیکھا تو اونص سے صرف آپ کا سر نظر آ رہا تھا اور پشت
میری طرف تھی۔ زہر دینے والا سمجھا شاید آپ ہی لا بیر بیری میں بیٹھنے ہوئے ہیں۔ میں نے آپ
سے پڑھتے وقت بار بار پانی کے متعلق پوچھا تھا..... میرا خیال سمجھ لگا۔ میں اس کھڑکی پر بے شمار
داائرے دیکھ کر اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ یہاں صراحی رکھی جاتی ہے اور یہ دائرے اس کی بھلکی ہوئی
پیندی کے نشانات کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں ہو سکتے۔ قائل شاید آپ کی اس عادت سے واقف
تھا۔ اس نے پچھے ہی سے ہاتھ بڑھا کر یہاں رکھی ہوئی صراحی میں زہر ڈال دیا۔ یہ تو آپ نے دیکھا
ہی ہے زہر کتنا زد و اثر نہایت ہوا ہے۔ صرف دو منٹ میں طوٹے کی جان نکل گئی۔ آپ کا سیکریٹری
بھی غالباً کثرت سے سگریٹ پہنچا تھا۔ جیسا کہ میز پر رکھے ہوئے امشٹرے سے ظاہر ہوتا ہے اور
گرمیوں میں سگریٹ پینے کے بعد یہاں ضرور معلوم ہوتی ہے۔ مر جوم نے صراحی کا پانی بیا
اور..... پھر تو آپ جانتے ہی ہیں..... قائل بعد میں اپنی اس حرکت کا نتیجہ دیکھنے آیا اور

جلدی میں صراحی کو ہاتھ مار کر نیچے گردید۔ اس کی یہ جلدی اور بولکلامہت سی غلطی کے اپاٹک احساس ہی کا نتیجہ ہو سکتی ہے۔ اس نے یہ بھی نہ سوچا کہ صراحی کے نوٹنے کی آواز سن کر قریب کے لوگ جاگ بھی سکتے ہیں۔“

فریدی رک کر گار سلاکنے لگا۔

”لیکن یہ آپ کیسے کہ سکتے ہیں کہ مر نے والا اس وقت بھی یہ ٹوپی پہنے ہوئے تھا۔ جب زہر دینے والے نے باہر سے دیکھا۔“ سب انپکڑ نے کہا۔
”اس کے متعلق وثوق سے میں نہیں کہہ سکتا۔“ فریدی نے کہا۔ ”یہ میرا اندازہ ہے جو غلط بھی ہو سکتا ہے۔“

”بہر حال نواب صاحب کو احتیاط سے کام لیتا چاہئے۔ ایک سکریٹری کی جان لینے کے لئے اونو ڈھم چانے کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔“

”اونو ڈھم سے کیا مطلب.....!“ نواب صاحب بولے۔

”جانوروں کی موتنی، وحشی درندوں کی آوازیں اور آگ اگھا ہو اکتوں۔“ فریدی نے کہا
اور سامنے کی دیوار پر نظریں گاڑیں۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

طارق اپنے نعلے کو کاغذ پر بخوابے بے تابانہ ٹھیل رہا تھا۔

غزال کے چہرے کے اتار چھاؤ سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ منقریب بیووش ہونے
والی ہے۔

”دار و غصی..... اس بو گل کو سل کر دیجئے۔“ فریدی نے بو گل حید کے ہاتھ سے لے کر سب انپکڑ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”ایسی بو گل میں حید نے نوٹی ہوئی صراحی کے خیکروں کا پانی جمع کیا تھا۔“

فریدی نواب صاحب کی طرف مڑا۔

”ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ آخر اتنی رات گئے تک وہ لا ببر یہی میں بیٹھا کیا کر رہا تھا۔“
ڈاکٹر کی روپورث کے مطابق تقریباً دو ڈھانی بیجے اس کی موت واقع ہوئی۔ کیا وہ آپ کے گھر میں
پیش آنے والے واقعات سے خائف نہیں تھا۔ میرا خیال ہے کہ یہاں رات کو تو کوئی اپنے پنچ
سے اٹھنے کی ہمت بھی نہیں کر سکتا ہو گا۔“

"تمہارا خیال قطعی درست ہے۔" نواب صاحب بولے۔
فریدی پھر خیالات میں ڈوب گیا۔

غزال کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ بتادے کہ اس نے ایک آدمی کو ایک رات کوئی میں آتے دیکھا تھا۔ لیکن طارق سامنے ہی کھڑا تھا۔ اس سے آنکھیں ملتے ہی اسے اپناخون رکوں میں محمد ہوتا محسوس ہونے لگا۔ اس نے یہ بات فریدی کو بھی بتائی تھی۔ نہ جانے کیوں اس کا خیال آتے ہی وہ خوف سے لرزنے لگتی تھی۔ اس نے اس وقت طارق کے نعلے کو فریدی کے ہاتھ سے خیکرا تے بھی دیکھا تھا۔ اس چیز نے اس کے شہبادات کو اور زیادہ تقویت دے دی۔

فریدی خیالات میں ڈوبا ہوا ٹھیل رہا تھا۔ فتحاب اسکر کی طرف ہڑکر بولا۔

"دار و نعمتی میرے خیال سے اب لاش انخوانے کا انتظام کیا جائے۔ بہر حال اب آپ کو دوسری رپورٹ لکھنی پڑے گی۔"

"فریدی صاحب درحقیقت آپ جلاودگر ہیں۔" سب اسکر بولا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔

سب اسکر لاش انخوانے کا انتظام کرنے لگا۔

تحوڑی دیر بعد لا ببری میں صرف حمید، فریدی اور غزال نواب صاحب اور طارق رہ گئے۔ فریدی ابھی تک خیالات میں کھویا ہوا تھا۔ ٹھیک ٹھیک وہ کتابوں کی الماریوں کا جائزہ لینے لگا۔

"آپ کی لا ببری بہت شاندار ہے۔" وہ نواب صاحب کی طرف ہڑکر بولا۔

"وہ تو سب ٹھیک ہے لیکن آپ ناش کب کریں گے۔" غزال نے کہا۔

"ہاں بھی لو فونج گئے۔" نواب صاحب نے چوک کر کہا۔

"اگر ناش بیہیں ملکوں تو بہتر ہے۔" فریدی نے کہا۔

غزال اٹھ کر باہر چلی گئی۔

فریدی ٹھیک ہوا پھر کھڑکی کے پاس آگیا۔

"یہ کیا ناش ہے۔" وہ باہر دیکھتے ہوئے چوک کر بولا۔

نواب صاحب اور حمید کھڑکی کے قریب آگئے۔ نواب صاحب کا سوچتا بھائی پر دیز ایک پہلوان کی گود میں چڑھا ہوا دودھ دانی سے دودھ پی رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ تلا تلا کر کچھ کہتا بھی

بارہ تھا۔

”یہ تماش نہیں میری بد نصیبی ہے۔“ نواب صاحب سر د آہ بھر کر بولے۔
”کیا مطلب.....!“

”میرا چھوٹا بھائی پر ویز..... تقریباً آٹھ سال ہوئے سر میں چوت لگنے کی وجہ سے اس کا
ملغ خراب ہو گیا ہے۔ کبھی مجھے اس پر فخر تھا۔ آج بھی جب میں اس کی لا ببری میں جاتا ہوں تو
بے اختیار آنسو نکل آتے ہیں۔ اتنا قابل اور پڑھا لکھا اور اس کا یہ انجام۔ برلن یونیورسٹی سے اس
نے قفسے میں ڈاکٹریٹ لی تھی۔ اب بالکل بچوں کی طرح زندگی بسر کرتا ہے۔“

فریدی بڑی توجہ سے سن رہا تھا۔ اپاٹک حید بے اختیار ہنسنے لگا۔ پر ویز پہلوان کی گود سے اتر
ایک تخلی کے چھپے گھنٹوں کے مل دوڑنے لگا تھا۔
حید کے اس ہنسنے پر فریدی نے اسے گھوکر دیکھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ نواب صاحب کی دل
لمبی ہو۔

”آپ نے انہیں کسی سائیکلو اسٹیلیٹ کو بھی دکھایا۔“ فریدی نے نواب صاحب سے پوچھا۔
”سب کچھ کر کے تھک ہے گیا ہوں۔“

”واقعی بڑی افسوس ناک بات ہے۔“ فریدی نے کہا اور اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔
تحوڑی دیر بعد ناشتے کا سامان آگیا۔ سب لوگ ایک بڑی میز کے گرد بیٹھ گئے۔

”بکھر میں نہیں آتا کہ زہر کس نے دیا۔“ نواب صاحب بولے۔

”پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن احتیاط ضروری ہے۔ آپ اور
زالہ کافی محاط رہئے..... مجھے سو فیصدی یقین ہے کہ یہ حملہ آپ ہی پر ہوا تھا۔“

”آخر کیوں اور وہ کون ہو سکتا ہے۔“ نواب صاحب بے چیزی سے بولے۔

”وہی جس نے یہ سب سو اگر رچا ہے۔ اس خیال میں نہ رہئے کہ یہ کوئی آسمی خلل ہے۔
زالہ نے جس وقت جانوروں کی موت کے متعلق بتایا تھا اسی وقت میں نے کہہ دیا تھا کہ اب کسی
می کا نمبر آنے والا ہے۔“

نواب صاحب حیرت زدہ نظر وہ سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

”جناب والا آپ کانسٹ الٹھے بہت پسند ہے۔“ فریدی طارق سے بولا۔

”شکر یے.....!“ طارق مسکرا کر بولا۔

”جس وقت یہ اچھا تھا مجھے یقین ہو گیا تھا کہ ضرور اس پانی میں زہر ملا ہوا ہے۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“ طارق پوچکر بولا۔

”اس کی اسی خصوصیت پر شد اگا قبیلے کے لوگ اسے دیوتا سمجھتے ہیں۔“ فریدی سرگار ساگا ہوا بولا۔ ”اس حتم کے خطرات کی بو سوگنے لیا اس کی ایک ادنیٰ خصوصیت ہے۔“

”کیا آپ بھی بر ازیل گئے ہیں۔“ طارق بولا۔

”ہاں..... ایک زمانے میں مجھے پرانے دفینوں کی تلاش کا خط تھا۔“ فریدی نے کہا۔

”اچھا.....!“ طارق دچپی ظاہر کرتے ہوئے بولا۔

”اسی سلسلے میں بر ازیل بھی جانا ہوا تھا۔“ فریدی لاپرواٹی کے ساتھ بولا۔

”لیکن افسوس ہے کہ ماٹا اوز سے سو میل بھی آگے نہ جا سکا۔“

”ماٹا اوز..... ماٹا اوز.....!“ طارق بے چینی سے بڑا بڑا ہوا کری پر پہلو بدلتے رکا۔

”ماٹا اوز سے سو میل کے فاصلے پر مغرب کی طرف..... دریائے آمیزون کے اتری کنارے پر سیاہ پیڑیوں کا سلسلہ..... جہاں.....؟“ مگر یہ سب کیوں بکریا ہوں۔“

”کوئی ہرج نہیں..... میں کافی دچپی لے رہا ہوں۔“ طارق نے نندے کو کاندھے سے اتار کر گود میں بخاتے ہوئے کہا۔

”پھر کسی وقت تفصیل سے بتاؤں گا..... کیا آپ کو بھی دفینوں سے دچپی ہے۔“

”نہیں کوئی اسکی خاص دچپی تو نہیں..... البتہ مجھے سیاحت کا ضرور شوق ہے۔“ طارق نے کہا۔

”خیر یہ شوق بھی بُر انہیں۔“ فریدی نے نواب صاحب کی طرف اپاک مرتے ہوئے کہا۔ ”میں آپ کے مر جوم سکریٹری کے متعلق کچھ معلومات بھی پہنچانا پا ہتا ہوں۔“

”کس حتم کی معلومات.....!“ نواب صاحب نے پوچھا۔

”پہلی بات یہ کہ وہ آپ کے بیہاں کتنے دن سے طالزم تھا۔“

”اس کی پروردش عیا اس گمراہ میں ہوئی تھی۔“

”اس کا کوئی عزیز.....!“

”کوئی نہیں.... قحط کے زمانے میں خریدا گیا تھا۔ اس وقت اسکی عمر دو سال سے زیادہ نہ تھی۔“

”ہوں.....!“ فریدی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”اس کا کوئی دشمن۔“

”میرا خیال ہے کہ کوئی نہیں کیونکہ وہ ایک انتہائی خوش اخلاق اور بے ضرر آدمی تھا۔“

”کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ وہ کس قسم کی کتابیں پڑھا کر تھا تھا۔“

”یہ بتانے کا شوار ہے۔“

”آپ نے کوئی کتاب ڈھونڈنے کے لئے اسے بھیجا تھا۔“

”ایک قلمی نسخہ جو اسی عمارت کے متعلق تھا۔“

فریدی یک بیک اچھل پڑا۔

”اس عمارت کے متعلق..... کیا آپ نے اسے پڑھا تھا۔“

”ہاں ایک بار دو ایک صفحات پڑھنے کا اتفاق ہوا تھا۔“

”کوئی خاص بات تھی اس میں۔“

”ظاہر ہے کہ اگر کوئی خاص بات ہوتی تو دوسری ایک صفحے پڑھ کر کیوں رہ جاتا۔“

”اوہ..... خاص بات ضرور تھی..... مگر خیر..... یہ بتائیے کہ اپاک آپ کو اسے

ٹلاش کرنے کی کوئی ضرورت پیش آگئی۔“ فریدی نے کہا۔

نواب صاحب پھر کچھ اکٹائے ہوئے سے نظر آنے لگے۔

”ان سوالات کا حادثہ سے کیا تعلق۔“ نواب صاحب نے کہا۔

”بہت بڑا تعلق ہے..... بظاہر میرے سوالات آپ کو قطعی بے ربط اور غیر متعلق

معلوم ہو رہے ہیں لیکن میرا طریقہ کار کچھ اسی قسم کا ہے۔“

”میں نے اس کتاب کا تذکرہ طارق سے یونہی دوران گنگوہ میں کیا تھا۔ انہوں نے اسے

دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔“

”کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ اسے کیوں دیکھنا چاہتے تھے۔“ فریدی اپاک طارق کی طرف مرکر بولा۔

”بات یہ ہے کہ مجھے پرانی عمارتوں سے دلچسپی ہے۔“ طارق نے جواب دیا۔ ”میں نے سوچا

ممکن ہے اس میں کوئی بات میری معلومات میں اضافہ کرنے والی ہو۔“

”وہ کتنی پرانی رہی ہو گی۔“ فریدی نے کہا۔

”عہدرو..... میں ابھی دلکھاتا ہوں۔“ تواب صاحب نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”بیکار...!“ فریدی نے انہیں بیٹھنے کا اشارة کرتے ہوئے کہا۔ ”وہاب بیہاں موجود نہیں۔“

”کیا مطلب.....!“

”میرا خیال غلط تھا۔“ فریدی نے کہا۔ ”در اصل وہ کتاب ہی آپ کے سکریٹری کی موت کا باعث نہیں ہے۔“

فریدی طارق کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ فریدی کو گھور رہا تھا۔ آنکھیں ملتے ہی وہ دوسرا طرف دیکھنے لگا۔

”میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔“

”آپ کہہ رہے تھے کہ وہ کتاب اسی عمارت کے متعلق تھی۔“ فریدی نے تواب صاحب کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ ”کیا آپ انداز آبھی اس کی تاریخ مجھے نہیں بتاتے۔“

”وہ کتاب تین سو سال سے کسی طرح کم پرانی نہ رہی ہو گی۔“ تواب صاحب بولے۔

”تین سو سال.....!“ فریدی نے حیرت کا انہاد کرتے ہوئے کہا۔ ”مگر یہ عمارت تو جدید طرز کی ہے۔“

”جس حصے میں آپ بیٹھنے ہوئے ہیں اسے بننے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گذرد۔ پرانی عمارت تو کبھی کی ختم ہو چکی۔ اس کے پچھے مکنڈرات ابھی تک پچھلے حصے میں باقی ہیں۔“

”اوہ..... سب تو میں سو فیصدی یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ سکریٹری کی موت کتاب ہی کی وجہ سے واقع ہوئی ہے۔“

”مگر کیسے.....؟“ تواب صاحب بے چینی سے بولے۔

”اس کتاب میں اس عمارت کے متعلق کوئی گھر اداز تحریر تھا۔“ فریدی نے کہا۔ ”یہی وجہ ہے کہ وہ غرہ ہو کر رات کے اس حصے میں بھی لا بھر ری میں بیٹھا رہا جب کہ دوسرا سے اپنے کروں سے نکلنے کی بھی ہمت نہیں کر سکتے۔ کیا آپ بتاتے ہیں کہ اس وقت اور کون کون موجود تھا جب آپ نے اسے کتاب تلاش کرنے کی پدایت دی تھی۔“

” غالباً میرے اور طارق کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں تھا۔“

”ہوں.....!“ فریدی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”مگر وہ راز کیا ہو سکتا ہے۔“

”وہ راز.....!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”اگر وہ راز آپ کو معلوم ہو جاتا تو آپ کے لئے میں ہونے والے واقعات آپ کی نظر وہ میں کھلیں کو دے زیادہ حیثیت نہ رکھتے۔“

”یعنی.....!“

”ابھی فی الحال میں اس چیز پر زیادہ روشنی نہیں ڈال سکا۔ لیکن آپ اطمینان رکھئے یہ سب حقیقتاً کھلی تھائے سے زیادہ و قوت نہیں رکھتا۔“

نواب صاحب خاموش ہو گئے۔ لیکن ان کی بے چینی آنکھوں سے ظاہر ہو ر عی تھی۔

”چیز میں آپ لوگوں کو آپ کے کمرے دکھادوں۔“ فراز نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اب کیا کروں۔“ نواب صاحب بھی اٹھتے ہوئے بولے۔

”اب یہ سب آپ مجھے سمجھنے دیجئے۔“ فریدی نے سکراکر کہا۔

”مجھے تمہاری ذات سے ایسی ہی امید ہے..... خدا ہماری پریشانیاں دور کرے۔“

نواب صاحب نے کہا اور باہر چلے گئے۔

خون کی بوچھاڑ

سکریٹری کی موت کی وجہ سے ساری کوئی پر ایک عجیب قسم کا ما تمی سکوت طاری تھا۔ لوگ اس طرح چل پھر رہے تھے جیسے انہیں کسی کے جاگ اٹھنے کا خوف ہو۔ البتہ کبھی کبھی پر دینز کے پہکانے تھے اس سکوت کو تو زدیتے تھے۔

نواب صاحب دن بھر لا بھری کی کتابیں انتہا پڑھتے رہے لیکن گشیدہ کتاب نہ تھی۔ فریدی کے دلاں کی بناء پر وہ مان گئے تھے کہ سکریٹری کو زہر دے کر ہلاک کیا گیا ہے لیکن آسمی خلل والا خیال بدستور ان کے ذہن میں جما ہوا تھا۔ وہ سوچ رہے تھے کہ شاید بھوتوں کی آڑ لے کر کوئی

سیکر پڑی پر ہاتھ صاف کر گیا۔ اس کی موت کی وجہ سے انہیں پریشانی ضرور تھی ایک تو یہ کہ وہاں کے گھر کا پالک تھا اور پریشانی کی دوسری وجہ یہ تھی کہ پولیس والے اب آئے دن خواہ نموداں آگر ان کا دماغ چاٹھن گے۔

لا بھر یہی سے واپس آنے کے بعد فریدی اور حید نے اپنے اپنے کمروں میں جا کر لباس تبدیل کئے۔ غزال نے ہر چند فریدی سے آرام کرنے کو کہا لیکن اس نے ٹال دیا اور اس کے ساتھ پرانی عمارت کے گھندرات دیکھنے کے لئے چلا گیا تھا۔ حید بھی اس کے ساتھ تھا۔ تقریباً ڈیڑھ سخنے تک دونوں وہاں رہے لیکن کوئی خاص بات معلوم ہو گئی۔ وہاں سے لوٹ کر وہ آگ اگنے والے پر اسرار کنوں کی طرف آئے۔ فریدی بڑی دریکھ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کنوں میں کی گھرائی میں دیکھتا رہا لیکن دن کے وقت بھی اس میں اتنی تاریکی تھی کہ تجھے خوبیں دکھائی دے رہی تھی۔

”کیوں بھتی حید کیا خیال ہے۔“ فریدی حید کی طرف مڑ کر بولا۔ ”اس میں پانی تو نہیں معلوم ہوتا۔“

”میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔“

”مجیہاں، اس میں پانی نہیں۔“ غزال بولی۔

”اور اس کے اندر پھاٹائی ہوئی تاریکی سے پتہ چلتا ہے کہ یہ غیر معمولی طور پر گمراہ ہے۔“

”اس کی گمراہی کا اندازہ آج تک نہیں لگایا جاسکا۔“ غزال بولی۔

”لیکن میں نے.....!“

”ہاں کہنے رک کیوں لگیں.....!“ فریدی نے کہا۔

”پچھے نہیں.....!“

”لیکن آپ نے کسی کو اس میں اترتے دیکھا ہے۔“

”آپ کو کیسے معلوم ہوا۔“ غزال خوفزدہ لہجے میں بولی۔

”آپ کے جملے کے انداز اور آپ کی گمراہی سے میں نے اندازہ لگایا کہ آپ نے کسی کو اترتے دیکھا ہے۔ لیکن کسی وجہ سے بتانا نہیں چاہتیں۔“

”آپ نمیک سمجھے، مجھے خود اپنی اس کمزوری پر بار بار فحص آتا ہے لیکن کیا کروں۔“

”تو آپ کسی وجہ سے خائف ہیں۔“

"اور وہ وجہ مجھے خود بھی نہیں معلوم۔"

"عجیب بات ہے۔"

"مجھے دراصل اس کی آنکھوں سے خوف معلوم ہوتا ہے..... کیوں؟ یہ میں نہیں بتا سکتی۔"

"اوہ تو شاید آپ کا شادہ طارق کی طرف ہے۔"

"تو کیا آپ کو بھی اس کی آنکھیں خوفناک معلوم ہوتی ہیں۔"

"قطعاً نہیں..... میں جانتا ہوں کہ وہ سانپ کا زہر بطور نش استعمال کرتا ہے۔"

"سانپ کا زہر بطور نش.....! غزالہ حیرت سے بولی۔

"ہاں ہاں..... یہ کوئی تجویز خیز بات نہیں۔ چینیوں میں اس کا عام رواج ہے۔"

"تو کیا اسی وجہ سے اس کی آنکھیں اتنی خوفناک ہیں۔"

"میں ہاں.....! فریدی نے گنگلکار خبدلتے ہوئے کہا۔ "ہاں تو آپ نے اسے کب اس

کنوں میں اترتے دیکھا ہے۔"

غزالہ نے اس رات کا واقعہ وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا۔

"آئیے واپس چلیں۔" فریدی نے لوٹنے کے لئے مرتے ہوئے کہا۔ "اس کی آنکھیں پھر

گھری سوچ کا پتہ دے رہی تھیں۔ ابھی وہ چند ہی قدم گئے ہوں گے کہ پروریا چھلتا کوڈتا ہوا آگیا۔

اس کے ہاتھ میں دو دھپینے کی شیشی تھی اور دوسرا میں لکڑی کی ایک بندوق۔"

فریدی کو دیکھ کر دو دھپینے کی شیشی اس نے زمین پر پھینک دی اور بندوق تان کر کھڑا ہو گیا۔

"بناو تم نے میرا طوطا کیا کیا..... میلا طوطا منگوادو نہیں تو گولی..... مال دوں گا۔"

"اوہ بچا جان خدا کیلئے آپ اپنے کمرے سے باہر نہ لکھا کجھے۔" غزالہ شرمندہ لبھے میں بولی۔

"تو کیوں بولتی ہے۔"

غزالہ خاموش ہو گئی۔

پروریا بھی سک فریدی کے سامنے اپنی لکڑی کی بندوق تانے کھڑا تھا۔ حیدھی کے مددے بے حال ہو رہا تھا۔ لیکن فریدی قطعاً سنجیدہ تھا۔

"اوہ مجھے افسوس ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن میں آپ کو دوسرا منگوادوں گا۔"

"اچھا لیکن ویسا ہی ہو۔" پروری بندوق پنجی کرتے ہوئے بولا۔

"بہت بہتر.....!"

"نبیں دیا نہیں ہم اال طو طالیں گے۔"

"جیسا آپ کہیں گے..... ویسا ہی مٹکوادیا جائے گا۔"

"چھااب اندر پلے.....! غزالہ پر دیر کا ہاتھ پکڑ کر اسے اس کے کمرے کی طرف لے

جائی ہوئی بولی۔

فریدی اور حید اپنے اپنے کروں کی طرف آئے، راست میں طارق ملا۔

"کہنے اپکڑ صاحب..... کوئی خاص بات۔" طارق بولا۔

"ابھی تک تو خاص بات نہیں ہوئی لیکن جلد ہی کسی خاص بات کا ظہور ہونے والا ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"اس کنوئیں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔" فریدی نے اس کی بات اڑاتے ہوئے

دفعتاً پوچھا۔

"کتوں.....!" طارق چوک کر بولا۔ لیکن پھر مندرجہ کرنے لگا۔ "یقیناً یہ ایک بہت پرانا

کتوں ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اس کنوئیں میں کوئی دفینہ ہے۔" فریدی آنکھ دکر آہستہ سے بولاتے

ہو سکتا ہے۔" طارق لاپرواہی سے بولا۔

"مگر اس میں اتنا یقیناً خطرے سے خالی نہیں۔" فریدی نے کہا۔

طارق اسے گھور رہا تھا۔ دفعہ اس کی آنکھوں میں عجیب حرم کی چک پیدا ہو گئی۔

"اوہ تو آپ اس میں اتنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں آپ کو کبھی اس کی رائے نہ دوں گا۔"

"کیوں.....!" فریدی نے پوچھا۔

"اس لئے کہ خود میں ایک بار ایسی حماقت کر چکا ہوں۔" طارق نے کہا اور اپنے نعلے کی

پینچہ پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

"بھلا اس میں حماقت کی کیا بات ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"میں بتاتا ہوں..... ایک رات میں نے اس کنوئیں میں اتنے کی کوشش کی تھی

"اور.....!"

”لیکن.....!“ فریدی نے اس کی بات کا نتے ہوئے کہا۔ ”آپ تو کہتے ہیں کہ یہ آسمی معاملہ ہے۔ مگر آپ کے دل میں کون سیں میں اترنے کا خیال کیسے پیدا ہوا۔“

”یوں ہی محض اپنے تجربات میں اضافہ کرنے کے لئے.....!“

”خبر ہاں تو پھر.....!“

”میں زیادہ دور نہیں جا سکا۔“

”کوئی!“

”اس میں بے شمار سانپ رہتے ہیں۔“

”خبر یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں۔“

”اوہ یہ عجیب بات ہے کہ ان کے سوراخ کنوں کی دیواروں میں ہیں۔“

”اوہ تب تو ان سوراخوں میں ہدر رکھ کر نہایت آسانی سے تہہ سک پہنچا جا سکتا ہے۔“

فریدی نے کہا۔

طارق اس طرح مسکرا یا چیزے کوئی بوڑھا آدمی کسی بچے کی بے اگلی بات پر مسکراتا ہے۔

”میں نے آپ کی دلیری کی کافی تعریف سنی ہے۔“ طارق نے کہا۔ ”لیکن یہ جیز اتنی آسان نہیں۔“

”میں تو آپ کو کبھی اس کنوں میں اترنے نہ دوں گا۔“ حمید بولا۔

”آخر تم مجھے اتنا جمح کیوں سمجھتے ہو۔“ فریدی حمید کی طرف مڑ کر بولا۔

”یہی تو میں نے کہا آپ جیسا سمجھدار ایسی حماقت کیسے کر سکتا ہے۔“ طارق نے کہا۔

”خیر دیکھا جائے گا۔“ فریدی نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

فریدی کمرے کے دروازے پر رک کر سگار ساگانے لگا۔ حمید اندر داخل ہو چکا تھا۔

وختا فریدی کو حمید کی چینچتائی دی اور سگار اس کی انگلیوں سے پھسل گیا۔ وہ جھپٹ کر کمرے

میں داخل ہوا۔ حمید دیوار کا سہارا لئے جیران آنکھوں سے کمرے میں چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ

سر سے چور سک خون میں نہیا ہوا تھا۔

”ارے یہ کیا.....؟“ فریدی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

حمد خاموش تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا ہیسے اسے سکھتے ہو گیا ہو۔ وختا وہ چھکر کمرے سے باہر

بھاگا۔ فریدی بھی اس کے پیچے بھاگ رہا تھا۔ کوئی کے سارے لوگ حمید اور فریدی کو اس حال میں دیکھ کر چینے لگے۔ فریدی نے حمید کو چالک کے قریب پکلا۔

”آخر بات کیا ہے کچھ بتاؤ تو سکی۔“ فریدی نے کہا۔

”میں ایک منٹ کیلئے..... بھی..... یہاں نہیں نہبر سکا۔“ حمید نے کامنے ہوئے کہا۔

”آخر کیوں.....؟.....“

”ذیخے..... یہ خون..... کی بوچھاڑ.....!“

”تمہارے چوت تو نہیں آئی۔“

حمید نے جس کی سانس پھول رہی تھی انہی میں سر ہلا دیا۔

”پھر کیا ہوا۔“

”میں جیسے..... ہی کرے میں..... داخل ہوا۔..... میرے سر پر خون کی تجزیہ بوچھاڑ۔“

”ابے داہبے گدھے تو اس طرح بھاگنے کی کیا ضرورت تھی۔“ فریدی نے اپنے تھیلے پر

ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

”جتاب والا میں بزدل ہی سکی۔“ حمید بولا۔ ”لیکن ایک جا اس کے لئے یہ ضروری نہیں

کہ وہ بھوتوں سے کشی لائے۔“

”احمق ہوا جھے خاصے۔“ فریدی نے کوئی کی طرف بھاگتے ہوئے کہا۔

راستے میں غزالی..... اس نے بھاگ دوڑ کی وجہ پر چھپنی شروع کی۔

”اوپر جانے کا راستہ..... جلدی کہجئے۔“

غزالہ بھی اس کے ساتھ دوڑ نے گلی۔ اس نے زینے کی طرف اشارہ کیا اور فریدی دوڑتا ہوا زینے طے کرنے لگا۔

”ذر اجلدی کہجئے..... میرے کمرے کی چھت.....!“

”اُدھر آئیے.....“ غزالہ ہانپتی ہوئی بولی۔ ”وہ اُدھر..... اس دیوار کے قریب سے شروع ہوتی ہے۔“

فریدی گھمنوں کے بل بینے کر چھت کا جائزہ لینے لگا۔ کچھ دور بہت کر شیشے کے روشنдан کے قریب اسے خون کی تھیں دکھائی دیں۔

فریدی بے تابی سے کھڑا تھا مل رہا تھا۔

”آخر ہتائے بھی تو کیا بات ہے۔“ غزال بے چینی کے ساتھ بولی۔

فریدی نے مختصر الفاظ میں اسے سارا واقعہ بتایا۔

”افسوں کہ حمید کی حماقت سے وہ بجوت نکل گیا۔..... ورنہ.....!“

”کیا مطلب.....!“

”ذریعے خون کی چھیٹیں دیکھئے“ فریدی نے روشنداں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”اس شیشے کو اٹھا کر پکاری کے ذریعے خون پھینک دیا کوئی بڑی بات ہے۔“

”اوہ.....!“ غزال اسے حیرت سے دیکھتی ہوئی بولی۔ ”شروع ہی سے میں ان سب

حرکتوں کو کسی آدمی کی جدت سمجھ رہی ہوں۔“

”اور وہ آدمی.....!“ فریدی نے پوچھا۔

”میں اپنے شےبے کا انکھا پبلے عی کر چکلی ہوں۔“

”فریدی کسی سوچ میں ڈوب گیا۔“

”خیر دیکھا جائے گا۔“

دونوں نیچے اتر آئے۔ حمید ابھی تک اسی حالت میں لوگوں کے سمجھ میں گمراہوا کھڑا تھا۔

”جاوہ جا کر ٹسل خانہ میں کپڑے تبدیل کرو۔“ فریدی نے تھکانہ لجھ میں کہا۔

حمد نے کچھ کہنا چاہا مگر خاموش ہو گیا۔

آوازوں کا راز

حمد والے واقعے کے بعد فریدی اپنے کمرے میں کھڑکی کے قریب ایک کرسی پر بیٹھا کسی خیال میں مشغول تھا۔ انکلیوں میں دباہوا سگار نہ جانے کب کا بجھ گیا تھا۔ سگار میں، الگی ہوئی را کھاں بات پر دلالت کر رہی تھی کہ دری سے اس نے لٹکے ہوئے ہاتھ کو جبکش بھی نہیں دی ورنہ را کھ

ضرور گر گئی ہوتی۔

وہ دفعتاً پوک پڑا۔ کسی نے پیچھے سے اسکے کانہ سے پہاڑھر کھدیا تھا۔ اس نے پٹ کر دیکھا۔ غزال کھڑی مکرار ہی تھی۔ اس نے اس وقت خید ساری باندھ رکھی تھی۔ اس سادگی میں اس کے چہرے کے شوخ خدوخال پچھا اور زیادہ ابھر آئے تھے۔ بڑی بڑی سحر کار آنکھوں میں پے در پے سمجھیں طلوع ہو رہی تھیں اور سمجھنیری پلکوں کی چھاؤں میں خونگواری شامیں ریتی گئی محسوس ہو رہی تھیں۔

”کچھ چائے وغیرہ کا بھی ہوش ہے۔“ غزال کی مت نم آواز کرنے کی خاموش فضائیں کوئی نہیں۔ اس کے لبھ میں نہ جانے کیا چیز تھی جس نے فریدی کی رگوں میں نش ساد و ڈادی۔ اس کے لبھ میں کیا تھا۔ ماتا تھی۔ شکایت تھی۔۔۔ قاضہ تھا۔۔۔ پردگی تھی۔۔۔ اور نہ جانتے کیا کیا۔ فریدی غیر شوری طور پر مکرا پڑا اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ ان دیکھتے ہوئے رخساروں کی آنچیں گلی گیا ہو۔ اے اپنی، تھی ایک لمبی لیتی ہوئی جبیل معلوم ہونے لگی۔ اتنی جبیل جس میں صح او لین کی شعائیں رکھنی تانے باتے بن رہی ہوں۔ دفعتاً فریدی کو خود میں اس تبدیلی کا احساس ہوا اور اس کے مختلط شعور نے بھپٹ کر دہن کے اس گوشے پر سیاہ چاہ در دال دی جہاں سے محبت کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔

وہ یک بیک ضرورت سے زیادہ سنجیدہ ہو گیا۔ غزال نے بھی شاید یہ تبدیلی محسوس کر لی۔ اس کے چہرے پر افرادگی دوڑ گئی۔

”کہنے تو چائے میں بھگوادوں۔“ غزال نے مردہ سی آواز میں کہل۔ ”ابا جان وغیرہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔“

”اس وقت میری طرف سے معافی مانگ لجھے گا۔“

”اچھا تو پھر میں میں بھگوادوں گی۔“ غزال نے کہا اور چند لمحوں تک کھڑی اسے دیکھتی رہی۔ فریدی کھڑکی کے باہر دیکھ رہا تھا۔

غزال کے چڑے جانے کے بعد اس نے انگلیوں میں دبا ہوا سگار باہر پھینک کر دوسرا سلاکایا اور ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔

”ابا میاں.....!“ کسی نے پیچھے سے پکارا۔

فریدی پٹ کر دیکھنے لگا۔ دروازے میں پر دین کھڑا دودھ کی شیشی میں منہ لگائے دو دو
چوس رہا تھا۔

"تم ہمارے ابا میاں ہو؟" پر دین فریدی کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر بولا۔

فریدی اس کے اس اپاٹک سوال پر بوکھلا گیا۔ لیکن پھر بے اختیار ہنسنے لگا۔

"ابا میاں ہستے ہیں..... ابا میاں ہستے ہیں۔" پر دین دودھ کی شیشی بغل میں دبا کر تالیاں
بجاتا ہوا اچھلنے کو نہ لگا۔

ہستے میں حمید بھی آگیا۔

"اور بیٹا پچا جان کو بھول گئے۔" اس نے آہتہ سے کہا۔

فریدی اسے گھونٹ لگا۔ گرد حمید کے چہرے پر بدستور شراحت آمیز مسکراہٹ چھلی ہوئی تھی۔
"کہنے جتاب..... اتنی بوڑھی اولادیں لئے پھرتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں کہ مجھے ان
لغویات سے کوئی سر و کار نہیں۔" حمید بولا۔

"کیا کہتے ہو۔" فریدی نے اپنی ہنپی روک کر سنجیدہ بننے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"ہم.....!" پر دین اچھل کر ہستا ہوا بولا۔ "ابا میاں نے پچا جان کو ڈانت دیا....."

|||||

حید ایک کری پر بینے کر شراحت آمیز نظر وہ سے پر دین کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہم کو دیں بیٹھیں گے۔" پر دین حمید کے نزدیک آکر نٹک کر بولا۔

"می.....!" حمید تھیر آمیز لہجے میں چینا۔ "یہ آپ کیا فرمادے ہیں..... ذرا اس تحریف
و نزار جسم کو ملاحظہ فرمائیے۔"

پر دین اچھل کر اس کی کو دیں بینے گیا اور حید کے منہ سے چیز نکل گئی۔ اسے ایسا گھوس
ہو رہا تھا جیسے اس کی رانوں کی بہیاں کو کڑا کر ثوٹ جائیں گی۔ فریدی بے اختیار ہنس پڑا۔

"اے جتاب والا..... اترے ہی بھی..... درست میری بہیاں ثوٹ جائیں گی۔" حمید کردا
کر بولا۔

"ہم خللوش کا پچھے لیں گے۔" پر دین حمید کی کو دیں بیٹھتا ہوا بولا۔

"اے مراء.....!" حمید چینا۔ "خروش کا پچھے نہیں بلکہ میں آپ کو گدھے کا پچھے مٹکوادوں

کالث میری جان چھوڑئے۔ ”

”نائیں..... نائیں..... خلکوش کا پچھہ۔ ” پروین اور زیادہ پھٹنے لگا۔

”لکث میری جان بچائیے۔ ” حید نے فریدی سے کہا۔

”میں کیا جاؤں۔ ” فریدی نے کہا اور دوسری طرف منہ پھیر کر گارپھنے لگا۔

”خلکوش کا پچھہ..... خلکوش کا پچھہ۔ ”

”آبے بھاگ بھوتی کے۔ ” حید نے جھلا کر پروین کو دھکیل دیا۔ پروین کے گرتے ہی دودھ کی شیشی ٹوٹ گئی اور سارا دودھ فرش پر چھیل گیا۔

پروین فرش پر پڑا تھکیاں لے لے کر رورہا تھا۔

”تم نے کیا کیا۔ ” فریدی نے مگبر اکراٹھتے ہوئے کہا۔

اتھے میں غزال نوکر کے ساتھ چائے لے کر آگئی۔

”یہ کیا.....؟ ” پروین کو اس حال میں دیکھ کر بولی۔

”مجھے افسوس ہے۔ ” فریدی نے کھڑے ہو کر کہا۔

”آخر ہوا کیا.....؟ ”

”حید کو تو آپ دیکھی رہی ہیں..... بیچارہ دبلا پتا آدمی ہے۔ پروین صاحب اس کی کوڈ میں چڑھ کر بینے گئے تھے اور کسی طرح اترنے کا نام نہ لیتے تھے۔ ”

”کوہ.....! ” غزال پروین کو زمیں سے اٹھانے کے لئے جھلکی۔

”اتھئے بچا جان..... دیکھنے یہ لوگ کیا کہیں گے۔ ”

”نائیں اٹھیں گے..... ہم کو دھکیل دیا..... آں..... ” پروین رو تاہو اپولا۔

اس کی یہ حالت دیکھ کر غزال کی آنکھوں میں آنسو جھلک آئے۔ فریدی اور حید بھی متاثر ہوئے پختیر نہ رہ سکے۔

بہزادہ شواری غزال اسے بہلا پھلا کر باہر لے گئی۔

”تم نے بہت بُدھا کیا۔ ” فریدی نے حید سے کہا۔

”تو کیا اپنی بُدھیاں ترداڑا۔ ” حید نے کہا اور چائے بنانے لگا۔

”اسی دن..... رات کی بات ہے۔ فریدی، حید، غزال، طارق اور نواب صاحب برآمدے

میں بیٹھ کر تو میں سے پنگاریاں لٹکنے کا انتظار کر رہے تھے۔ غزال کی آنکھیں فریدی کے چہرے پر
لگی ہوئی تھیں۔

”مگر اور تو نجع گئے۔“ نواب صاحب نے بے چینی سے کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

”بھرم اب آج تیرسی حمافتوں کرے گا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”تو کیا تمہیں پورا یقین ہے کہ یہ کسی آدمی کی حرکت ہے۔“ نواب صاحب نے کہا۔

”سو فیصد ہی۔“ فریدی نے کہا اور سگار سلاکا نے لگا۔

ابھی یہ باتیں ہوئی رہی تھیں کہ دفعتاً یک تیز خم کی سرسر اہمیت کی آواز سنائی دی۔

”یہ لو آواز اس شروع ہوئیں۔“

”اوہ.....!“ فریدی کے منہ سے بے اختیار لکلا اور وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ ساتھ ہی اس
نے اپنی کلاں پر بند گی ہوئی گھڑی پر نظر ڈالی۔

جانوروں کی آوازوں سے کوئی خوشی نہیں۔ فریدی انٹھ کر اندر چلا گیا۔ وہ متعدد کمروں
میں گھوم گھوم کر آوازیں سختا پھر رہا تھا۔ پھر وہ برآمدے میں لوٹ آیا۔ یہاں بھی ایسا معلوم ہوا رہا
تھا جیسے یہ آوازیں دیوار کے ایک حصے سے نکل رہی ہوں۔ آوازوں کا سارا اسلسلہ ختم ہوتے ہی اس
نے پھر اپنی گھڑی پر نظر ڈالی۔

”اوہ.....!“ اس کے منہ سے بے اختیار لکلا اور پھر وہ کسی گھبری سوچ میں ڈوب گیا۔

”سیر ہی.....بانس کی سیر ہی۔“ وہ دفعتاً چینا۔

”مگر مطلب.....!“ نواب صاحب چونک کر بولے۔

”ایک سیر ہی ملکوائیے۔“ فریدی نے کہا اور بچھے ہوئے سگار کو سلاکا کر بے تابی سے
برآمدے میں شملے لگا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور آنکھوں میں عجیب خم کی پراسرار چک بیدا
ہو گئی تھی۔ حید اچھی طرح جاتا تھا کہ اس پر اسکی کیفیت ایسے ہی موقعوں پر طاری ہوتی تھی جب
اسے یقین ہو جاتا تھا کہ اس کا شکار اس کے پہنچے میں آگیا ہے۔

”خد اخیر کرے کچھ ہونے ہی والا ہے۔“ حید نے آہستہ سے کہا۔

”میا.....!“ غزال جو قریب ہی کھڑی تھی چونک کر بولی۔

”کوئی نئی بات ہونے والی ہے۔“

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"اے بھی سمجھ میں آجائے گا۔"

اس نے میں دونوں کریمیں لے کر آگئے۔

"اوہ یہ تو بہت چھوٹی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "خیر پنج پر دلوں جیں..... ذرا وہ میز اور
کھیث کر دیوار سے لگادو اور یہ سیریں ہی اس پر رکھ کر دیوار سے نکالو۔"

اس کی ہدایت کے مطابق سیریں ہی لگادی گئی۔

"ایک بات.....!" فریدی تواب صاحب کی طرف مڑ کر بولا۔ "میاں آوازوں سے پہلے
بیش اسی قسم کی سرسری اہم کی آوازنائی دیتی ہے۔"

"اسی بناء پر تو میں نے یہ کہا تھا کہ اب جانوروں کی آوازیں شروع ہوتے والی ہیں۔"

فریدی معنی خزانہ میں سر ہلاتا ہوا سیریں ہی پر چڑھ گیا۔

اوپر پہنچ کر وہ تھوڑی دیر تک اوہ مردیوار کو انگلیوں سے لکھتا تارہا پھر یہک اس کا
قہقهہ سن کر لوگ چوک پڑے۔

"میاں بات ہے بھی۔" تواب صاحب خوفزدہ آوازوں میں بولے۔

"کوئی خاص بات نہیں..... لیکن دلچسپ ضرور ہے۔"

"پنج بتاؤ بھی۔"

"میاں آپ بتاتے ہیں کہ یہ دیوار کس چیز کی نبی ہوئی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"میاں بچپنے کا سوال ہے۔" تواب صاحب نہ اسامنہ بتاتے ہوئے بولے۔

"ناراض ہونے کی ضرورت نہیں..... یہ سوال بہت ضروری ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اُرے بھائی پتھر کی ہے اور کس چیز کی ہوتی۔"

"میاں پوری.....!"

"لا حوال ولا قوہ.....!" تواب صاحب جانے کے لئے مڑے۔

"ذرا غصہ ہے..... میں ایک ذمہ دار آدمی کی حیثیت سے آپ سے یہ سوالات کر رہا

ہوں۔" فریدی نے دیوار کے ایک حصے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"میاں بھی پتھر ہے۔"

”ہاں بھی.....!“ نواب صاحب نے کہا۔ لیکن اس کے لمحے سے معلوم ہو رہا تھا جیسے انہوں نے طوعاً و کرہاً جواب دیا ہو۔

”ذرادیکھنے..... یہ پھر کتنا پلکدار ہے۔“ فریدی نے اس حصے کو ہاتھ سے دباتے ہوئے کہا۔

”ارے یہ کیا.....!“ نواب صاحب حیرت سے چھپ۔
فریدی ہنسنے لگا۔

”بھی بتاؤ یہ کیا معاملہ ہے..... مجھے اختلاج ہو رہا ہے۔“

”تو سنئے جاب..... ابھی تک آپ لوگ ایک بہت ہی دلچسپ ریکارڈ نہتر ہے ہیں۔
یہاں اس جگہ لا اوڑا چیکر کامران لگا ہوا ہے۔“

”ارے.....!“ نواب صاحب اچھل پڑے۔

”اور تعریف کرنی پڑتی ہے اس آرٹسٹ کی جس نے اس چالی کورنگ دروغن کے ذریعے
چھروں میں ملا دیا ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”کیا تماشہ ہے..... آخر یہ سب کیا ہے۔“ نواب صاحب اپنی پیشانی رکھتے ہوئے بولے
”بھی میں آپ سے پوچھنا پا ہتا ہوں۔“
”میں کیا بتاؤں۔“

”تعجب کی بات ہے کہ آپ اس مکان کے مالک ہوتے ہوئے بھی اس کا جواب نہیں دے سکتے۔“
”خدا کو وہ ہے کہ میں کچھ نہیں جانت۔“

”بھلا اس بات پر کے یقین آئے گا۔“ فریدی نے میرے گھر سے اترتے ہوئے کہا۔ ”اندر بھی
کئی مقامات پر ایسے عیا ہاڈن فٹ ہیں۔“

”ہوں گے بھی..... مگر میں قسم کھا کر.....!“

”کوئی بات نہیں..... میرا کام ختم..... چلو بھی حید..... سامان وغیرہ نمیک
کرو..... اسی وقت چلیں گے۔ ایک بجے والی گاڑی مل یعنی جائے گی۔“

”مگر..... مگر.....!“ نواب صاحب رک رک کر بولے۔ ”کام..... ختم.....
کمال..... ہم لوگوں کی زندگی خطرے میں معلوم ہوتی ہے۔“

”بھلا میں اس کے لئے کیا کر سکتا ہوں..... کم از کم یہ معاملہ میرے بس کا نہیں۔“

"آخر آپ اس طرح کیوں چاہے ہیں۔" غزال آگے بڑھ کر بولی۔ "اتنی کامیابی تو آپ نے حاصل کر لی ہے اور اس کا پتہ لگانا بھی کوئی معمولی بات نہ تھی۔"

"خیر اس کا پتہ تو آپ لوگوں کو بھی تھا۔"

"تم جانے کیسی باتیں کر رہے ہو۔ کیا میں جھوٹ کہ رہا ہوں۔" تواب صاحب بولے۔

"طارق صاحب بھلا آپ خود فیصلہ کیجئے۔" فریدی نے کہا۔ "اس بات پر کے یقین آئے گا اس طرح دیواروں میں لاڈا چیلکر فٹ کر دینا کوئی گھری دو گھری کا کام تو ہے نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس میں عرصہ لگا ہو گا..... پھر میں یہ کیسے سمجھ لوں کہ اس گھر کے رہنے والوں کو اس کی اطلاع نہ ہوئی۔ فرض کیجئے کہ یہ حرکت گھری کے کسی آدمی کی ہے تو انکی حالت میں بھی اس کا علم کسی اور کو بھی ہونا چاہئے تھا..... کیا خیال ہے۔"

"صاحب اس کے متعلق میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" طارق نے جواب دیا۔

"جالی..... لاڈا چیلکر....." تواب صاحب خود بخوبی بڑھا۔

"شامد آپ کو یقین نہیں آیا۔" فریدی نے پتلون کی جیب سے بلاسماں تو نکال کر حسید کو دیتے ہوئے کہا۔

"جالی بھی ذرا اچھہ کر اس معاملے کو صاف ہی کر دو۔"

حسید جا تو لے کر بیڑھی پر چڑھ گیا۔ تھوڑی دیر کی محنت کے بعد اتنی جالی کٹ گئی کہ لاڈا چیلکر کا ہدن صاف دکھائی دینے لگا۔

"ایسے ہی اور بھی بہترے لاڈا چیلکر یہاں کی دیواروں میں لگے ہوئے ہیں۔" فریدی بولا۔

"میں کیا کروں۔" تواب صاحب بے بھی سے بولے۔ ان کے سارے چہرے پر پیسے کی نسخی نسخی بوندیں ابھر آئی تھیں۔

"اس عمارت کے کروں میں سفیدی کب سے نہیں ہوئی؟" فریدی نے پوچھا۔

"چھپٹے سال ہوئی تھی۔" تواب صاحب بولے۔

"تو یہ سب کام اس کے بعد ہی ہوا ہے۔ ورنہ سفیدی کرنے والوں میں ضرور سرا یہی چھپٹی۔"

"اُف میرے خدا۔" تواب صاحب اپنا چہرہ رومال سے صاف کرتے ہوئے بولے۔ "تو یہ

سب کام اس وقت ہوا جب میں اور غزالہ چھپٹا کے لئے باہر چلے گئے تھے۔"

"اس وقت غالباً ااؤڈ سیکل کے ہارن فٹ کئے گئے تھے کوئی۔ یہ کوئی ایسا مشکل کام نہیں۔ یہ ایک رات میں بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن ان دیواروں میں تار دوڑانے کا انتظام اسی وقت کر لیا گیا ہو گا جب یہ عمارت زیر تعمیر رہی ہو گی۔"

تواب صاحب حیرت سے فریدی کو دیکھ رہے تھے۔

"یہ عمارت کس کی گمراہی میں تیار ہوئی تھی۔" دفعتاً فریدی نے پوچھا۔

"میرے مر جوم پر ایجیسٹ سیکریٹری کی گمراہی میں۔" تواب صاحب بولے
"میں اس زمانہ میں مستقل طور پر لکھنؤ میں مقیم تھا۔"

"تو یہ وچہ ہے ان حضرت کی موت کی۔" فریدی بے تحاشہ بولا۔

"میں امطلب.....!"

"یقیناً وہ حضرت اس نامعلوم آدمی سے ملے ہوئے تھے، جو آپ کو ٹککر کر رہا ہے اور آخر کار اس نے انہیں بھی اپنے راستے سے ہٹا دیا۔"

"آخر وہ کون ہو سکتا ہے۔" تواب صاحب بے اختیار بولے۔

"آپ کا کوئی دشمن۔"

تواب صاحب سوچ میں پڑ گئے۔

"مگر میر اکوئی دشمن اتنا ذہین نہیں۔" تواب صاحب نے جواب دیا۔

"خبر بھی..... حید چل کر سامان اکٹھا کرو۔" فریدی حید کی طرف مزکر بولا۔

"آپ ہمیں اس حال میں چھوڑ کر ہرگز نہیں جا سکتے۔" غزال نے آگے گزدھ کر کہا۔

"لیکن میں کرعی کیا سکتا ہوں۔"

"یہ سب کچھ میں نہیں جانتی..... آپ کو خبر نہ پڑے گا۔"

"اور اب تو آپ اس کا پڑھی لگا سکتے ہیں کہ اس ہارن کا سلسلہ کہاں سے شروع ہوتا ہے۔"

طارق بولا۔

"ہاں کوئی ایسی مشکل بات نہیں..... صرف پوری عمارت کھدوڑا پڑے گی۔" فریدی نے طریق لجھے میں کہا۔

"وہ کچھ بھی سکی..... لیکن آپ یہاں سے جانہیں سکتے۔" غزال بولی۔

”پڑے اب جل کر آدم کجھے۔“

حملہ

رات حد درجہ تاریک تھی۔ آسمان سیاہ پادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ گرنچہ اور چک کہہ رہی تھی کہ بس بارش ہو اتی چاہتی ہے۔ فریدی نے اپنا پنگ برآمدے میں نکلا یا تھا۔ اس وقت خلکی بڑھ جانے کی وجہ سے اس نے چادر اوڑھ لی تھی۔ سوتے وقت اس نے برآمدے کی بھلی بھجوادی تھی۔ ساری کوئی نہیں پر ساتھ چھایا ہوا تھا۔ دفعتاً ایک طرف ایک تاریک سایہ متحرک نظر آیا۔ وہ آہستہ آہستہ ساری کے پنگ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ پنگ کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ اس کا ایک ہاتھ بلند ہوا اور بڑا سا خیز سونے والے کے جسم میں پیوست ہو گیا۔ ساتھ ہی کسی طرف سے ایک دوسرا سایہ چھٹ کر پہلے سائے پر آ رہا۔ دونوں گتے گئے۔ اس کلکش اور جدوجہد میں دونوں کے منہ سے ہلکی چینیں نکل جاتی تھیں۔ دفعتاً ایک سایہ دوسرے کی گرفت سے نکل کر بھاگا۔ دوسرا سایہ اس کا پیچھا کرنے لگا اور پھلی ہوئی تاریکی نے دونوں کو اپنے دامن میں چھپا لیا۔

شور و غل سن کر لوگ جاگ اٹھے۔ کروں اور برآمدوں کے بلب روشن ہونے لگے۔ حمد بھی جاگ اٹھا تھا۔ وہ بھاگ کر فریدی کے کمرے کی طرف آیا۔ اسے معلوم تھا کہ فریدی برآمدے، ہی میں سویا ہے۔ جیسے ہی اس نے مارچ جائی اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ فریدی نے ماتحت پنگ چادر اوڑھ رکھی اور اس کے سیاہ پال نکلنے پر بکھرے ہوئے تھے اور سینے پر ایک خیز نس کا سرف دستہ نظر آ رہا تھا۔ حید بے تھا شر چینخنے لگا۔

”دوڑو..... دوڑو..... قل قل.....!“

نیند سے چوکے ہوئے لوگ، جو معاملے کی نو عیت کو اچھی طرح سمجھنے پائے تھے بے تھا شر اس برآمدے کی طرف دوڑے۔ ان میں سے ایک نے برآمدے کا بلب روشن کر دیا۔

”کیا ہوا.....!“ غزالہ آگے بڑھ کر بولی۔ ”ارے یہ کیا۔“

”فریدی صاحب۔“

”اُف میرے خدا..... یہ کیا ہوا..... اباچان..... اباچان۔“

”اوہ شاید سو رہے ہیں۔“ کسی نے کہا۔

”جاو..... جا کر جگاؤ..... !“

”اُف میرے خدا..... میں نے انہیں کیوں روک لیا تھا۔“ غزالہ سکیاں لے کر روئے گئی۔
اس دواران میں بارش بھی ہونے لگی تھی اور اتنی تیز ہو رہی تھی کہ کان پڑی آواز انہیں
ٹنائی دے رہی تھی۔

دفعہ کسی نے قبیلہ لگایا۔ سب لوگ چوکے پڑے۔ فریدی پانی میں شرابور لاکھڑا ہوا
برآمدے میں داخل ہوا۔

”اڑے آپ..... !“ سب کی زبان سے بیک وقت لکلا۔

”یا اللہ تیرا شکر ہے۔“ غزالہ بے اختیار بول اٹھی۔ اس کی آنکھوں سے ابھی تک آنسو ابلے
پڑ رہے تھے۔

”اڑے آپ کیوں رو رہتی ہیں۔“ فریدی نے پس کر کہا۔

”پہلے یہ بتائیے کہ یہ کون ہے۔“ حمید نے لاش کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”چادر رات کر دیکھو۔“

”جیسے عی حمید نے چادر اٹھی اس کے منہ سے حرث کی جیخ نکل گئی۔
چادر کے نیچے تین چار سکنے رکھے ہوئے تھے اور سرہانے کے عکنے پر دفتی کا بنا ہوا ایک سر
رکھا ہوا تھا۔ جس پر سیاہ رنگ کے بڑے بڑے بال پچکے ہوئے تھے۔

”مجھے پہلے عی سے معلوم تھا کہ آج رات کو مجھ پر ضرور جملہ ہو گا۔ اسی لئے میں یہاں سے
چا جانا چاہتا تھا۔ لیکن غزالہ خامم کی ضد کے آگے ایک نہ چلی اور بجھوڑ آجھے یہ انتقام کرتا پڑا۔“

”مجھے شرمندگی ہے۔“ غزالہ نے کہا۔

”اس کی قطعی ضرورت نہیں۔ اگر میں آج چلا گیا ہوتا تو مجھے زندگی بھرا فسوس رہتا۔“

”حضور بڑے سر کار کرے میں نہیں ہیں۔“ اس نوکرنے لوث کر کہا، جو نواب صاحب کو

بالانے کے لئے گیا تھا۔

”کیا کہا کمرے میں نہیں۔“ غزال نے حیرت سے پوچھا۔

”کون.....؟“ فریدی نے پوچھا۔

”اباجان.....!“ غزال پر پیشان لجھے میں بولی۔

”اوہ.....!“ فریدی تیزی سے نواب صاحب کے کمرے کی طرف روانہ ہو گیا۔ بقیر

لوگ بھی اس کے پیچے تھے۔

نواب صاحب کا کمرہ خالی تھا۔ بستر بچھا ہوا تھا۔ بستر کی شکنیں کہہ رہی تھیں کہ کوئی اس پر سویا ضرور ہے کوئی کون کوئن چھان ڈالا گیا۔ نواب صاحب کا کہنیں پڑنے تھے۔ غزال بُری طرح پر پیشان تھی۔ فریدی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ طارق آہستہ آہستہ حمید سے باتمیں کر رہا تھا۔

”تو آخر اس میں پر پیشان کی کون سی بات ہے۔ آپ لوگ جا کر آرام کیجئے۔“ فریدی نے کہا۔ ”نواب صاحب جہاں گئے ہوں گے واپس آجائیں گے۔“

”آخر اس وقت کہاں گئے۔“ غزال بے چینی سے بولی۔

”ممکن ہے روزانہ اس وقت وہ کہنیں جاتے ہوں۔ آپ ان کے پیچے پیچے تو گھومتی نہیں ہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”اوے یہ آپ کے ماتھے سے خون کیسا نکل رہا ہے۔“ غزال فریدی کی طرف دیکھ کر بولی۔

”بھاگ دوڑ میں کہنیں چوت لگ گئی ہو گی۔“ فریدی نے لاپرواں سے کہا۔ ”مجھے افسوس ہے کہ وہ کم بجنت نکل گیا۔“

اور وہ کنوں

دوسرے دن صبح نواب صاحب کی کوئی نہیں میں کہراں مچا ہوا تھا۔ نواب صاحب ابھی تک نہیں لوٹے تھے۔ سب سے زیادہ غزال پر پیشان تھی اور سب زیادہ خاموش فریدی تھا۔ گھرے تھکر کی وجہ سے اس کی پیشانی پر سلوٹیں ابھری ہوئی تھیں۔

"جتاب میں.....!" طارق نے اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ "رات سے
میرا نخلا غائب ہے۔"

"اڑے جتاب یہاں آدمی غائب ہوئے جا رہے ہیں اور آپ کونتوں لے عی کی پڑی ہے۔"
"آپ قسط سمجھے مسٹر فریدی۔" طارق بولا۔ "تواب کی وجہ سے مجھے خود بھی پریشانی
ہے..... مگر وہ نہ لالا۔"

"بہت قیمتی تھا۔" فریدی نے اس کا جملہ پورا کر دیا۔
"میں ہاں.....!"

"اڑے صاحب جانور ہے..... کہنیں بھاگ داگ گیا ہو گا۔" فریدی نے کہا۔
"بھاگ تو وہ سکایی نہیں..... ضرور اسے کسی نے پکڑ لیا۔"
"کہنے ہندوستان آپ کو پسند آیا۔" فریدی اپناں پوچھ بیٹھا۔
طارق چونک کر اسے گھوڑنے لگا۔

"میں ہاں..... کیوں نہیں..... مگر میرا نخلا۔"
"چھوڑیے بھی مل عی جائے گا..... آپ اس سے قبل بھی کبھی ہندوستان آئے تھے۔"
"میں نہیں..... میں نخلا.....!"

"میرے خیال سے نخلا شخص اسی لئے غائب کیا گیا ہے کہ کہیں وہ تواب صاحب کو ڈھونڈنے
نکالے۔" فریدی نے کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"
"مطلوب سمجھ کر کیا کہیجے گا..... بہر حال میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کا قیمتی نخلا ڈھونڈنے
کی کوشش کروں گا۔"

"شکریہ..... شکریہ....." طارق نے کہا۔ "معاف کہیجے گا میں خل ہوا..... مگر میں
کیا کروں..... میرا نخلا۔"

"آپ اطمینان رکھئے..... جا کر ناشتہ کہیجے..... سب ٹھیک ہو جائے گا۔" فریدی نے کہا۔
طارق چلا گیا۔

دیر بعد غزالہ آگئی۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں۔“ وہ کری پ تیزی ہوئی بولی۔

”مگر ایسے نہیں..... سب صحیح ہو جائے گا۔“ فریدی نے کہا۔ ”جب تک کہ یہ معاملہ صاف ہو جائے گا میں یہیں مقام رہوں گا۔“

”کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔“

”کسی زبان سے نہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”آخر آپ اتنی لواس کیوں ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ نواب صاحب جہاں کہیں بھی ہیں پتھر ہتھ ہیں۔“

”خدا کرے ایسا ہی ہو۔“

”انشاء اللہ ایسا ہی ہو گا۔“ فریدی نے کہا۔ ”آپ نے ناشتہ کیا یا نہیں۔“

”اُرے ایسے میں ناشتے کی کے سو جھتی ہے۔“

”پھر وہی بات میں کہتا ہوں آخر اس سے فائدہ ہی کیا۔“

”اب میں اپنے دل کو کیا کروں۔“

”سنہالے آپ پڑھی لکھی اور سمجھدار ہیں۔“

”کوشش تو کرتی ہوں۔“

”اچھا جائے ناشتہ کر ڈالنے۔“

”اور آپ !“

”میں ابھی نہیں کروں گا ضرور خایسا کہہ رہا ہوں۔“

غزالِ چلی گئی۔

فریدی کا معمول تھا کہ جب اُسے کسی اہم معاملے پر غور و خوض کرنا ہوتا تھا تو وہ عموماً خالی پیٹتی رہا کہ تھا اس لئے آج بھی اس نے ابھی تک ناشتہ نہیں کیا تھا وہ خود پر حملہ ہونے کے بعد سے اب تک بیٹھا ہوا سوچ رہا تھا۔

تحوڑی دری بعد وہ اپنے کمرے سے نکل کر حمید کے کمرے کی طرف گیا۔ حمید شاید ابھی ابھی سو کر اٹھا تھا اس کے بال اٹھنے ہوئے تھے اور آنکھوں کی کوریں سوچی ہوئی تھیں۔

”تم جیسا سونے والا بھی آج تک میری نظروں سے نہیں گزر ل۔“ فریدی نے کہا۔

”آپ کی نظروں میں ابھی گزر ای کیا ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”نواب صاحب ملے یا نہیں۔“

”اگھی سک پچھے پتھیں چل سکا۔“

”تو یقیناً میر اشہد درست ہے۔“ حمید نے کہا۔

”اوہ آپ بھی شبہ کرنے لگے ہیں۔ ذرا بھجھ سے بھی فرمائیے شاید آپ یہ صحیح را ہنپڑوں۔“

”نواب رشید الزماں خود یعنی مجرم ہیں۔“ حمید نے کہا۔

”وہ کیسے.....؟“ فریدی ایک آرام کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

”یہ میں نہیں جانتا..... میرے پاس اس کا بہت یعنی معمولی ثبوت ہے اور وہ یہ کہ نواب رشید الزماں آپ پر حملے کے بعد یعنی کیوں غائب ہو گئے۔ آپ نے حملہ کرنے والے سے دو دو ہاتھ بھی کئے تھے۔ ممکن ہے نواب صاحب کو جنیال پیدا ہوا ہو کہ کہیں آپ نے حملہ کرنے والے کو پہچان نہ لیا ہو۔“

”بہت اچھے! لیکن یہ تو سوچو کہ آخر ان کی روپوشی کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ حملہ آور بیچ کر نکل گیا تھا اور پھر میں اس کا ثبوت کس طرح بھیم پہچانا کہ اس میں رشید الزماں یعنی کا ہاتھ ہے۔“

”ہر شخص اتنا نہیں سوچ سکتا تھا جتنا کہ آپ سوچتے ہیں۔“ حمید نے کہا۔

”خبر بہر حال..... ذرا اپنی کرسی قریب لے آؤ۔“ فریدی نے کہا۔

”خبر یت کوئی خاص بات۔“ حمید نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اپنی کرسی فریدی کے قریب کر لی۔

”ستو.....!“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”آج رات کو میں اس کوئی میں اتر دوں گا۔“

”میں آپ کو ہر گز نہ اتنے دوں گا۔“

”کیوں.....!“

”میں مناسب نہیں سمجھتا۔“

”نہیں بھی..... اب اس کے بغیر کام نہیں چل سکا۔“

”تو گویا آپ پر حسن کا جادو اس بُری طرح چل گیا ہے۔“

”کیا مطلب.....؟“

”میں آپ سے حق کہتا ہوں کہ غزالہ دنیا کی حسین ترین لڑکی ہے۔“

”پھر یعنی گدھے پن کی باتیں۔“

"یہ کوئی نئی بات نہیں..... میں نے شاید اپنی زندگی میں کبھی گھوڑے پن کی باتیں نہیں کیں۔"
 "ہشاد بھی..... وہ یہ فضول باتیں..... تفریح کے لئے پھر بہت وقت مatar ہے گا۔"
 حمید خاموش ہو گیا۔

"میرا خیال ہے کہ رات کو اس کنوں کی گھرانی ضرور کی جاتی ہو گی۔"
 "گھرانی..... گھرانی کون کرتا ہو گا۔"

" مجرم !"

" مجرم تو غائب ہے۔"

"بھتی فی الحال یہی فرض کر لو کہ نواب رشید الزماں مجرم نہیں ہیں۔" فریدی نے کہا۔
 "بہر حال..... ہاں تو آپ کیا کہنا پا جائے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"تم شام یعنی سے باغ پر نظر رکھنا۔"

"بہتر ہے..... لیکن میں کسی طرح یہ مناسب نہیں سمجھتا کہ آپ کنوں میں اتریں۔"
 "بس دیکھتے رہو..... میرے لئے کسی قسم کا خطرہ نہیں۔"

اسی دن رات کو حمید دوڑا ہوا فریدی کے پاس آیا۔

"آپ کا خیال صحیح تھا۔" وہ ہمچا ہوا بولا۔ "میں نے ابھی ابھی ایک آدمی کو کنوں کی چیزیں
 والی جہازی میں چھپتے ہوئے دیکھا ہے۔"
 فریدی پہلے یہ سے تیار بیٹھا تھا۔ اس نے ضروری سامان ساتھ لیا اور حمید کے ساتھ روانہ
 ہو گیا۔

چھانک کے باہر نکل کر دونوں چہار دیواریوں کے نیچے چلنے لگے۔ ایک جگہ فریدی رک گیا۔
 "میرا خیال ہے کہ یہی وہ جگہ ہو سکتی ہے جہاں وہ چھپا ہو گا....." فریدی نے آہستہ سے
 حمید کے کان میں کہا۔

حمد نے سر پلایا اور دیکھتے ہی دیکھتے فریدی دیوار پر چڑھ گیا اور پر سے اس نے حمید کو بھی چڑھ
 آنے کا اشارہ کیا۔

دونوں پر آہنگی تمام دوسری طرف اترنے لگے۔

"وہ دیکھنے کو نہیں کی جگہ کے پاس جہازیوں میں۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

فریدی نے سر ہالا۔ وہاں کوئی چھپا ہوا تھا۔ فریدی اپنے پستول کی ہال پکڑ کر آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ جھاڑیوں کے قریب پہنچ کر اس کا پستول والا ہاتھ اوپر اٹھا اور ساتھ ہی کسی کے گرنے کی آواز آئی۔

”حید..... حید..... جلدی کرو..... ری۔“ فریدی نے کہا۔

وہ ایک تویی ہیکل آدمی کو دبوچے بیٹھا تھا۔ آدمی سر میں چوت لگتے کی وجہ سے بیویش ہو چکا تھا۔ دونوں نے مل کر اسے ایک درخت کے تنے سے جکڑ دیا۔

”تمہارا پستول بھرا ہوا ہے تا.....!“ فریدی نے پوچھا۔

حید نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”دیکھو اسکی اچھی طرح ٹگرولی کرتے رہنا۔ اگر کوئی بات ہو تو بے دریخ پستول استعمال کرنا۔“

یہ کہہ کر فریدی جھاڑیوں میں گھس گیا۔ چھٹیوں کے بعد جب وہاں سے لٹلا تو اس کے ہاتھ میں ایک خجڑہ تھا۔

”یہ کیا.....!“ حید نے آہستہ سے پوچھا۔

”طارق کا نندہا.....!“

”اے.....!“

”اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔“

”تو اسے آپ ہی نے غائب کیا تھا۔“

”ہاں..... اس کنویں میں بکثرت سانپ ہیں۔ لیکن وہ اس نعلے کی بوباتے ہی اپنے ہلوں میں جا چھیں گے۔“

”اوہ..... سمجھا.....!“

فریدی نے خجڑہ زمین پر رکھ دیا اور ریشم کی ایک مضبوط ڈوری کے سرے میں ایک پتھر پاندھ کر اسے کنویں میں بچک دیا اور ڈور کا دوسرا سر اسرا قریب کے ایک درخت کے تنے سے پاندھ کر پیشانی سے پہنیتے پوچھنے لگا۔

”آچھا بھائی..... حید خدا حافظ..... میں چلا..... بہت ہو شیاری سے رہتا..... اگر کوئی خطرہ در پیش ہو تو بے تلف کوئی چلا دینا..... فریدی نے کہا اور نعلے کا خجڑہ اپنے گرد لپیٹی

ہوئی چورے کی چینی میں لکھا لیا۔ پھر تارچ کی روشنی میں دیر سک کتوں کے اندر دیکھتا رہا۔ اچھی طرح اطمینان کر لینے کے بعد اس نے تارچ پتلون کی جیب میں ڈالی اور ریشم کی ڈور کے سہارے کتوں میں اترنے لگا۔ ریشم کی ڈور کے سہارے اتنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ تھوڑی دور جا کر ڈور پینے کی وجہ سے ہاتھ سے چھٹائے گئی۔

کتوں میں بلا کی ہدیتی تھی۔ اسے اپنے آس پاس سانپوں کی بھیکاریں سنائی دے رہی تھیں۔

حیرت

فریدی کی کمر سے لکھے ہوئے بخیرے سے بھی عجیب حرم کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ شاید نہ لساپنوں کی بھیکاریں سن کر اپنے فنسے کا اٹھاد کر رہا تھا۔ فریدی کے بازوں شل ہو گئے تھے۔ ہر بارا سے یہ محسوس ہو رہا تھا جیسے اب رہی اس کے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ اس نے ایک چوڑی کا گار پر کھڑے ہو کر جیب سے تارچ نکالی اور اس کی روشنی میں نیچے کی طرف دیکھنے لگا۔ ابھی اس نے صرف آدمی سافت میٹے کی تھی۔ گرمی کی وجہ سے اس کا دم گھٹا جا رہا تھا۔ اس نے من اوپر کر کے دو تین گھرے گھرے سانس لئے اور پھر نیچے اترنے لگا۔ بہر حال بہن اور دقت وہ کتوں کی تہہ سک پہنچا۔ اس کے سارے کپڑے پیسے میں اس طرح ڈوبے ہوئے تھے جیسے وہ کافی دیر سک بارش میں بھیکارا ہو۔ تارچ کی روشنی میں وہ کتوں میں کی تہہ کا جائزہ لینے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کی محنت بیکار گئی ہو۔ کتوں میں میں زیادہ دیر سک نہ ہنا کویا موت کو دعوت دیتا تھا۔ سانپوں کی طرف سے تو خیر اس نہ لے کی موجودگی کی وجہ سے اسے اطمینان تھا لیکن گرمی خدا کی پناہ..... فریدی کی جگہ اگر کوئی کمزور دل و دلخی کا آدمی ہو تا تو اب تک بھی کا یہوش ہو گیا ہوتا۔ تھکہ بہار کا اس نے اوپر چڑھنے کا ارادہ کیا۔ رہی پکڑ کر جیسے ہی اس نے اپنا بیر اٹھایا دسر اجیر کتوں کی دیوار سے نکلا گیا اور ایک عجیب حرم کی آواز بیدا ہوئی۔ فریدی چوک کر پھر نیچے اتر گیا۔ جہاں پر لگا تھا اس جگہ کو بغور دیکھنے لگا۔ پھر اسے انگلوں سے آہستہ آہستہ کھلکھلایا۔

"اوه میرے خدا.....!" اس کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔
دیوار کا یہ حصہ نہ کابینا ہوا تھا۔ لیکن اسے اس طرح بنایا گیا تھا کہ دیکھنے میں انہوں کی جائی
معلوم ہو رہی تھی۔ فریدی نے جیب سے چاقو نکالا۔

تحوڑی دیر میں اس نے نہ کادہ حصہ وہاں سے نکال پھینکا۔ ہوا کا ایک فرحت انگیز جھونکا
اس کے جسم سے مکریا اور اس کی رکوں میں تھاتا تھی دوزگنی۔ اس کے سامنے دیوار کا اتنا بڑا حصہ مکمل
گیا تھا جس سے ایک آدمی بینے کر بآسانی گذر سکتا تھا۔ فریدی ٹارچ کی روشنی میں رنگلا ہوا آگے
بڑھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ٹارچ تھی اور دوسرے میں نعلے کا بخبرہ۔ اب وہ ایک اچھے خاۓ
کرے میں چل رہا تھا۔ دفعتاً وہ ٹھک گیا۔ سامنے ایک عورت اور ایک مرد کھڑے ہوئے تھے۔
فریدی نے بے ساختہ بخوبی زمین پر پھینک کر ریو اور نکال لیا۔ لیکن وہ دونوں دیوار سے بیک
لگائے جوں کے توں کھڑے ہوئے تھے۔

"لا حول ولا قوۃ۔" فریدی کے منہ سے آہتہ سے نکلا۔ اس نے قریب جا کر دونوں کو
ٹوٹا۔ وہ ربر کے بنے ہوئے تھے۔ فوراً فریدی کو خیال آیا کہ یہ دعی مورتیاں ہیں جنہیں پہلے دن
نواب ساحب وغیرہ نے لاش سمجھا تھا۔ فریدی آگے بڑھا۔ سامنے ایک دروازہ تھا جس کی درز دوں
سے روشنی چھپنے کر اس کرے میں آری تھی۔ فریدی نے اس کرے میں داخل ہوتے ہی
بارود کی بو محسوس کی تھی۔ دوسرے کرے میں کسی کے ہولنے کی آواز آری تھی۔ فریدی نے
کنوازوں کی درز سے آنکھیں لگادیں۔ دفعتاً وہ چوک پڑا۔ دوسرے کرے میں ایک آدمی کی لاش
پڑی ہوئی تھی جس کے سینے سے ہازہ ہازہ خون ایل رہا تھا۔ ایک کرسی پر نواب رشید الزماں بیٹھے
تھے۔ لیکن وہ سیوں سے جگڑے ہوئے تھے۔ فریدی نے دروازہ کھولنا چاہا لیکن پھر رک گیا۔ البتہ
اس نے محسوس کر لیا کہ دروازہ دوسری طرف سے بند نہیں ہے اور کسی وقت بھی آسانی سے کھووا
جا سکتا ہے۔

اپنے ایک آدمی دروازے ہی کے قریب آگر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔
یہ پر دیز تھا۔ پر دیز جو پاگل تھا۔ پر دیز جو بچوں کی طرح ستلا ستلا کر بولا تھا۔ پر دیز جو آنکھوں
کے بل چلا تھا..... وہ پر دیز اس وقت سیدھا کھڑا تھا۔ اسکے ہاتھ میں دو دھکی شیشی کے بجائے
پستول تھا اور آنکھوں میں مخصوصیت کے بجائے سفاکی۔ درندگی اور دھیانہ پن رقص کر رہا تھا۔

"ویکھا آپ نے اس تک حرام کا انجام.....!" پروین نے لاش کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "یہ مجھے دھمکی دے رہا تھا کہ درہ تھا کہ جاؤ سوں کو میرے متعلق بتادے گا..... ہونہ۔" فریدی کے سارے جسم میں سننا ہٹ پھیل گئی کیونکہ پروین اس وقت تلاکر نہیں بول رہا تھا۔ "ہاں تو بھائی صاحب اب..... آپ بھی مرنے کے لئے تیار ہو جائیے۔" پروین بولا۔ "میں نے تمہیں ہمیشہ سے بھائی کی طرح عزیز رکھا ہے۔ میں نے تمہارا کیا بگلا رکھا ہے۔"

نواب صاحب گزر گڑا کر بولے۔

"کچھ بھی ہو..... لیکن میں اسے کسی طرح کو ادا نہیں کر سکتا کہ اپنے باپ کے ترکے سے اس نے محروم کر دیا جاؤں کہ اس نے میری ماں کے ساتھ نکاح نہیں کیا تھا۔" "کیا میں نے تمہیں کبھی یہ چیز محسوس ہونے دی۔" نواب صاحب بولے۔ "میں ان فضولیات میں نہیں پڑتا..... میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ جاؤ سوں کو پہلے ہی سے تم پر شہبڑا تھا۔ تمہارا غائب ہو جانا اس شبے کو یقین میں تبدیل کر دے گا۔ تمہاری روپوشی کے بعد تمہاری چیزوں کا میں پورا پورا مالک ہوں گا۔ غزال کے علاوہ اور تمہارا ہے ہی کون، جو مجھ سے منہنے کے لئے آئے گا..... اور رہ گیا غزال کا معاملہ تو میں اسے اسی طرح رکھوں گا جس طرح تمہارے باپ نے میری ماں کو رکھا تھا۔"

"کیا بتاتے ہے..... بد نصیب.....!" نواب صاحب گرج کر بولے۔ "وہ تیری بھتیجی ہے۔" "ہو گئی.....!" پروین نے لاپرواہی سے کہا۔ "میری ماں آوارہ تھی اس لئے تمہارے پاس کیا بثوت ہے کہ میں تمہارے باپ ہی کی اولاد ہوں۔ بہر حال میں حراثی ہوں۔ اس لئے حراثی پن کی حد کر دینا چاہتا ہوں۔"

"چپ رہ مر دوو.....!" نواب صاحب چھیڑے اور فریدی نے دروازے کو زور سے دھکا دیا۔ کنواؤں کی بچپت میں آکر پروین اونچے منہ گر پڑا۔

فریدی اچھل کر اس پر آ رہا۔ دونوں آپسیں میں گئے۔ فریدی محسوس کر رہا تھا کہ اسے ایک فولاد کے بنے ہوئے آدمی سے مقابلہ کرنا پڑ رہا ہے۔ دونوں کے ہاتھوں میں پستول دبے ہوئے تھے۔ دھنٹا پر فریدی کی گرفت سے نکل کر پھرتی سے ایک صوفے کی آڑ میں ہو گیا۔ فریدی اس کا مطلب سمجھتا تھا۔ اس نے بچپت کر ایک میز گراہی اور اس کی اوث لے لی۔ دونوں طرف سے

کولیاں چلتی شروع ہو گئیں۔ وقتاً فریدی نے جنگ ماری اور گرپڑا تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر پر دین کھڑا ہو گیا۔ وہ آہستہ آہستہ میز کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اچانک ایک قاترہ والا اور پر دین جنگ مار کر گر پڑا۔ فریدی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ پر دین کو تڑپتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ کوئی ٹھیک اس کے ماتحت پر لگی تھی۔

”فریدی بیٹا.....!“ نواب صاحب چھی اور بیباش ہو گئے۔



دوسرے دن شام کو نواب صاحب، غزالہ، طارق، فریدی، حمید اور دو سب انکلائر ایک ساتھ چائے پیا رہے تھے۔

”ایک ہار کی رات میں اس کنوئیں میں اتنا فریدی ہی کا کام تھا۔“ نواب صاحب بولے۔
”مجھ سے دراصل ذرا سی لطفی ہو گئی۔ درست اتنی پریشانی نہ اخたانی پڑتی۔ کھنڈروں والا راستہ زیادہ سیدھا اور آسان تھا۔ صرف ذرا سادماغ پر زور ڈالنا پڑتا۔ اب سوچتا ہوں کہ میں نے اپنا زیادہ وقت کھنڈروں پر ہی کیوں نہ صرف کیا۔“

”خبر جو کچھ بھی ہو اچھا ہی ہو۔“ طارق بولا۔

”مجھے جرأت ہے کہ وہ لوگ مجھے سوتے سے کس طرح اخٹا لے گئے کہ مجھے خبر مکنتہ ہوئی۔“
نواب صاحب نے کہا۔

”کلور و قارم.....!“ فریدی بولا۔

”ان تینوں بد معاشوں میں سے ایک لاپتہ ہے معلوم نہیں اس کا کیا ہوا۔“ حمید بولا۔
”اس کا بھی انتظام ہو جائے گا۔“ فریدی۔ ”بھلا کون کہہ سکتا تھا پر دین اتنا خطرناک آدمی ہے اور وہ تینوں جو اے گو دیں اخٹائے پھرتے تھے وہ اس کے کر گے ہیں۔“

”خبر اب چھوڑیے..... ان باتوں کو.....!“ غزالہ بولی۔ ”مجھے الجھن ہو رہی ہے۔“

”اور ہاں طارق صاحب ایک صاحب کو آپ پر بھی شبہ تھا۔“ فریدی نے شرارت آمیز

مکراہٹ کے ساتھ کہا۔

غزال اسے خفے اور بیمار بھری نظروں سے دیکھنے لگی۔

"بھج پر.....!" طارق نے قہقهہ لگایا۔ "نہ جانے کیوں لوگ عموماً میری طرف سے مخلوق رہا کرتے ہیں۔"

"آپ کے نبالے کی وجہ سے۔" حید مکراہٹ بولا۔

"اوہ..... اس نے سینکڑوں بار میری جان بچائی ہے۔" طارق نے اپنے نبالے کی پیڈ پر بیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "اگر یہ نہ ہوتا تو فریدی صاحب کو نیس کے قریب جانے کی بھی بہت نہ کر سکتے۔"

"اس میں تو شبہ نہیں۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

وہ آہستہ نہلتا ہوا اپنے کمرے میں آیا اور کھڑکی کے قریب کھڑے ہو کر باغ میں بکھری ہوئی ہریالی سے آنکھوں کی تحکاوت دور کرنے لگا۔

دفعٹا کسی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ مزا..... غزال کی خوبصورت آنکھوں نے اس کی نگاہوں کا استقبال کیا۔ غزال کے زرم اور تازک ہونٹوں پر ایک لطیف سائیم بکھرنا ہوا تھا۔ فولاد کے بنے ہوئے فریدی کے جسم کا ایک ایک حصہ سوم کی طرح پکھلتے لگا۔ اس نے بے اختیار غزال کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

"آپ..... آپ اس وقت بہت اچھی لگ رہی ہیں۔" فریدی نے بچوں کی طرح کہا اور غزال نے شرما کر سر جھکایا۔ اس کے ہونٹوں پر عجیب قسم کی مکراہٹ رقص کر رہی تھی جس کا سریجا یہ مطلب تھا کہ کچھ اور بھی کہو..... مگر..... فریدی..... اس محلے میں قریب قریب بالکل بدھو تھا۔ اس نے کسی رومانی ناول کا کوئی اچھا ساجملہ یاد کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوا۔

"آپ ہمیشہ اچھی لگتی ہیں۔" وہ بدقسم تمام بولا۔

اپاٹک ایک دھماکہ سنائی دیا۔ دونوں چوپک پڑے..... دروازے کے قریب حید گر پڑا۔ اس کے ہونٹ کا پر ہے تھے۔ جیسے وہ کچھ کہہ رہا ہو۔ دونوں دوڑ کر اس کے قریب آئے۔ فریدی نے سر بلایا اور غزال کو جانے کا اشارہ کر کے خود حید پر جک گیا۔ غزال دونوں کو

حیرت سے دیکھتی ہوئی چلی گئی۔

”حید..... حید.....!“ فریدی نے اس کا سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”آپ..... آپ..... ہم..... ہم..... بھیش..... اچھے..... اچھی.....
تل..... لگتی ہیں۔“ حید لینے لیئے بڑو بولیا۔ ”ارے..... باپ رے..... بھوت.....
بھوت.....!“

فریدی نے اسے گربان سے پکڑ کر کھڑا کر دیا۔

”یہ کیا حرکت.....؟“

”حرکت..... ارے رے..... حرکت..... ہائے..... آپ پر بھی.....
آسیب کا سایہ ہو گیا۔“

”کیا کہتے ہو؟“

”ارے باپ رے..... آپ بھیش اچھی لگتی ہیں..... ارے بہت بڑا کافر مسلمان
ہو گیا۔ شکر ہے خدا تیرا..... ارے میں خوشی کے مدارے بیوہش ہو گیا تھا.....
تحوڑلپانی..... غائب محسوس ہو رہی ہے۔“

فریدی حید کی پینچھے پر ایک گھونسہ جڈ کر کمرے میں چلا گیا۔ اس کے چہرے کے ایک ایک
 حصے سے مکراہٹ پھونی پڑ رہی تھی۔ جھپٹی جھپٹی سی مکراہٹ۔

”میرے سر کار آخر خنکلی کس بات کی.....“ حید فریدی کے چیچے آگر بولا۔ ”اب تو مزہ ہی
مزہ ہے۔“

فریدی جھلا کر مڑا۔

”عجیب احمد ہو..... اگر اس نے سن لیا تو۔“

”تو ہر جس کیا ہے..... محبت میں سب کچھ جائز ہے۔“

”محبت...!“ فریدی اس کا گربان پکڑے ہوئے بولا۔ ”کس بات میں دیکھی ہے تم نے محبت۔“

”آپ بھیش اچھی لگتی ہیں۔“ حید نے منہ بنا کر کہا۔

”تو کیا کسی کے حسن کی تعریف کرتا محبت ہے۔“

”قطیعی.....!“

”تو احمد دیکھو.....!“ فریدی نے اپنے سینے پر ہاتھ مارنے ہوئے کہا۔ ”جسے تم محبت کرتے ہو اس کے لئے اس پتھر میں کوئی گنجائش نہیں۔“

”بھی بھی پتھر بھی اپنی ہی آنچ سے پھٹل جاتا ہے.....“ حمید اکڑ کر بولا۔

”شاپاٹ.....برخوردار.....کس ناول سے رنا تھا یہ جملہ۔“ فریدی اس کی پیوندِ محو عکس ہوئے بولا۔

”خیر ہو گا مجھے کیا۔“ حمید نے کہا۔ ”آپ نے ابھی تک یہ نہیں تباہ کر کنوں سے آگ کس طرح نکلتی تھی۔“

”تم بھی رہے وہی ذیوٹ کے ذیوٹ۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”ارے میاں آٹھبازی تھی۔

کیا تم نے مٹی کے دہڑے بڑے اتار نہیں دیکھے تھے جو تہ خانے سے برآمد ہوئے ہیں۔“

”اوہ واقعی اچھا خاصہ بچوں کا کھیل تھا.....مگر خلنک۔“ حمید نے کہا اور سیٹی بجا تا ہوا

کرے سے نکل گیا۔

ختم شد